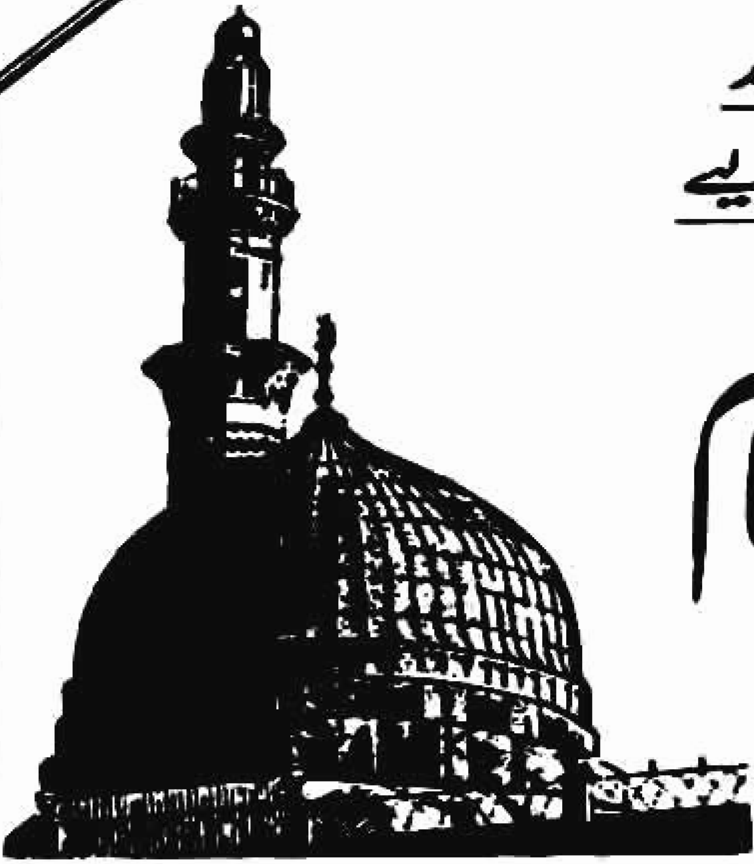
ماہنامہ ترجمان القرآن

جولائی ۹۲ء

جاری کردہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ۔ لاہور (پاکستان)



جلد ۱۱۷ جولائی ۱۹۹۲ء عدد ۵

ماہنامہ ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

رجسٹرڈ نمبر ایل: ۵۳۴۰

جلد ۱۱۷ | جولائی ۱۹۹۲ء محرم الحرام ۱۴۱۳ھ | عدد ۵

فہرست مضامین

ادارتی امور کے لیے: ماہنامہ ترجمان القرآن - منصورہ، ملتان روڈ لاہور

رابطہ و ترسیل زر کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ - رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فون نمبر: ۲۳۴۰۱۴ - ۲۳۶۶۶۵ پوسٹ بکس نمبر: ۱۲۴۳

فی پرچہ ۶ روپے زر سالانہ: ۶۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ملک عبد محمد پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

اشارات

کیا حکومت کا حالیہ فوجی آپریشن' سندھ میں امن و امان قائم کر سکے گا؟

آج ہر سوچنے سمجھنے والے پاکستانی کے ذہن پر' جسے اس ملک کی سلامتی اور مستقبل کسی درجہ میں بھی عزیز ہے' سب سے بڑھ کر یہی سوال چھایا ہوا ہے۔ حکومت اور فوج کے سربراہوں اور اعلیٰ ترین ذمہ داروں کی طرف سے "اعتماد و یقین" سے بھرپور بیانات کے باوجود' عام آدمی بے یقینی اور مایوسی کی دلدل سے نکل نہیں پا رہا' بلکہ اور دھنستا چلا جا رہا ہے۔ اس کے ذہن میں ہزاروں خوف اور اندیشے کلبلا رہے ہیں۔ اس کو ڈر ہے کہ سندھ کا امن و امان تو تباہ ہوا ہی تھا' اب کہیں پورا ملک ہی داؤ پر نہ لگ جائے۔ سنگین آپریشن اگر ناکام ہو جائے ——— سرجن کی نااہلی یا غلطی ہو' یا اس کے رفقائے کار کی' یا پوسٹ (مابعد) آپریشن نگہداشت اور خبر گیری کرنے والے اسٹاف کی' یا ان کا عدم تعاون ہو' تیاریوں میں نقائص ہوں یا آپریشن کے طریقِ کار میں' ماحول میں آلودگی ہو' مریض کی طرف سے مزاحمت ہو' انتظامیہ رخنے ڈالے ——— وجہ کچھ بھی ہو' نتائج سنگین ہی ہوں گے۔ مرض لاعلاج بن سکتا ہے' مریض ہمیشہ کے لیے درد و کرب کا شکار ہو سکتا ہے' وہ ہلاکت کے منہ میں بھی جا سکتا ہے۔

سندھ میں فوجی آپریشن کس طرح کیا جائے گا' اس کا نتیجہ کیا برآمد ہوگا' پاکستان کا کیا بنے گا؟ ان سوالات کے صحیح جوابات دینے کا دعویٰ تو کوئی نہیں کر سکتا۔ لیکن اس فوجی آپریشن کے نتیجہ میں' جو کچھ اور جیسا کچھ ہونا ممکن ہے اور ہوتا نظر آرہا ہے' جو ناخوشگوار اور نقصان دہ نتائج رونما ہونے کے امکانات ہیں' ان کا اندازہ لگانا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ انہی نتائج سے پوری طرح آگاہ ہونا ضروری ہے' حکمرانوں کو بھی' اور فوجی کمانڈروں کو بھی۔ بدقسمتی سے فوجی کمانڈر اکثر ایک وہ اہم سبق نظرانداز کر دیتے ہیں جو ان کو پیشہ ورانہ تربیت کے دوران بڑے اہتمام سے سکھایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ "دنیا میں' سب سے بڑھ کر' جنگ میں یہ صورتِ حال پیش آتی ہے

کہ جو کچھ وقوع پذیر ہوتا ہے وہ توقع کے برخلاف ہوا کرتا ہے' اور دُور سے چیزیں جیسی کچھ دکھائی دیتی ہیں قریب پہنچ کر اس سے بہت مختلف نکلتی ہیں"۔

اس بات پر اب تقریباً سب ہی متفق ہیں کہ سندھ میں امن و امان کی صورتِ حال خطرناک حد تک بگڑ چکی ہے۔ اس سے انکار بھی مشکل ہے کہ صوبائی حکومت اور انتظامیہ امن و امان قائم کرنے اور رکھنے میں اس حد تک ناکام ہو چکے ہیں' یا اس کے بگاڑ میں اس حد تک شریک ہیں' کہ حالات بہتر بنانے کے لیے بالاترادادروں کی طرف سے غیر معمولی' اور موثر اقدامات ناگزیر ہیں۔ اگرچہ صدرِ پاکستان عرصے سے "سب ٹھیک ہے" کا مژدہ سناتے رہے ہیں اور وزیراعظم حالات بہتر ہونے کی رپورٹ دیتے رہے ہیں' اور دونوں جام صادق کو خراجِ تحسین بھی پیش کرتے رہے ہیں' مگر دفعہ ۱۴۷ کے تحت امن و امان قائم کرنے کی ذمہ داری فوج کے سپرد کرنے کے اقدام نے ان دعوؤں کا پول کھول دیا ہے' اور ثابت کر دیا ہے کہ "سب ٹھیک نہیں ہے۔"

امن و امان کے غیر معمولی بگاڑ اور سول انتظامیہ کی ناکامی کی صورت میں غیر معمولی اقدامات کے لیے فوج کی طرف نظر اٹھے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیوں کہ حالات کی سنگینی کا احساس سب کو ہے' اور فوج کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا' اس لیے اس کارروائی کی' سوائے ایم کیو ایم کے' کسی قابلِ ذکر سیاسی قوت نے کلیتاً" مخالفت نہیں کی ہے۔ بلکہ' بشمول پیپلزپارٹی' تقریباً سب نے' مختلف شرائط کے ساتھ' اس کی مخالفت سے احتراز کیا ہے۔ یہ شرائط بھی سیاسی مفادات کے بجائے معقولیت پر مبنی ہیں۔ مثلاً یہ کہ آپریشن جانبداری سے پاک اور منصفانہ ہو' حکیمانہ اور مؤثر ہو' بلا رو رعایت سب مجرموں کو پکڑا جائے خواہ وہ کتنے ہی بااثر ہوں اور ان کے خلاف کارروائی کی کتنی ہی سیاسی قیمت ادا کرنا پڑے' اور صرف مجرموں ہی کو پکڑا جائے نہ کہ سیاسی مخالفین کو۔ ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ تنہا فوجی آپریشن مسائل کا حل نہیں ہے' نہ وہ کامیاب ہوگا' جب تک اس کے ساتھ ایک وسیع سیاسی' انتظامی' معاشی' تعلیمی اقدامات کا پیکج بھی نافذ نہ کیاجائے' اور قوم کو اور سیاسی قیادت کو' بلا امتیاز احزابِ اقتدار و اختلاف' اعتماد میں نہ لیا جائے ۔ لیکن قوی اندیشہ یہ ہے کہ یہ شرائط پوری نہ ہوں گی ' اور نتیجتہً" ملک اور فوج کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

حکومت اور فوج دونوں اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ لاہور' مشرقی پاکستان' بلوچستان اور خود سندھ میں' سابقہ فوجی کارروائیوں کے مقابلے میں' یہ پاکستان میں پہلی فوجی کارروائی ہے جس کی اب تک کوئی غیر مشروط مخالفت نہیں ہوئی ہے۔ بد قسمتی یہ ہے کہ نہ اس اثاثے کی قدر و

قیمت کا احساس ہے' نہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے کوئی مناسب اقدامات کیے جارہے ہیں۔ بلکہ الٹا ناعاقبت اندیشانہ طرزِ عمل' بیانات اور کارروائیوں سے اس قیمتی اساس کو' جو آپریشن کی کامیابی میں کلیدی رول ادا کر سکتی تھی' بڑی بے دردی سے ضائع کیا جارہا ہے۔ نہ فیصلہ کرنے میں ان کو شریک کیا گیا جو تعاون کر سکتے تھے' اور جن کا تعاون کامیابی کے لیے ضروری تھا' نہ فیصلہ کرنے کے بعد ان کو باخبر کیا گیا' نہ ان سے ربط رکھا جا رہا ہے' نہ اندیشے دور کرنے کی فکر ہے' نہ تعاون حاصل کرنے کی کوئی کوشش۔ وہی دشنام طرازی اور الزام بازی ہے جو اب وزیراعظم اور ان کے رفقا کا ٹریڈ مارک بن چکی ہے۔ ادھر جب مشورے کی بات کی گئی تو صدر صاحب تک پھٹ پڑے۔ "لوگ تو چاہتے ہیں کہ سانس بھی لیں تو پوچھ کر لیں۔" ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہیے۔ کیا سندھ میں عام آبادی کے درمیان ایک طویل مدت پر محیط فوجی کارروائی "سانس بھی لیں" کے مترادف ہے؟

پاکستان میں ویسے بھی "معمول کے حالات" نہیں ہیں۔ اور سیاسی طرزِ عمل تو آپریشن کی کامیابی کے لیے ہرگز خوش آئند نہیں۔ لیکن آپریشن کے بارے میں جو خطرات اور خدشات ہیں' ان کی نوعیت اس طرزِ عمل سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس ضمن میں چند اہم باتیں فیصلہ کرنے والوں' منصوبہ بنانے والوں' کارروائی کرنے والوں اور قوم کے سامنے کھول کر رکھ دیں۔ تاکہ جب توقعات کے برخلاف واقعات' جن کا نہ منصوبے میں ذکر ہو نہ ان کے لیے تیاری' پیش آنے لگیں' اور جب نتائج پہلے سے قائم کیے ہوئے اندازوں اور منصوبوں سے مختلف نکلیں تو ہم ان کے لیے تیار ہوں۔

فوجی آپریشن کا منصوبہ اپنی جگہ خامیوں سے پاک ہو' اور دوسرے ایسے عوامل بھی موجود نہ ہوں جو اس کو ناکام بنانے والے ہوں' جب بھی ایک وسیع علاقہ میں پھیلی ہوئی بہت بڑی عام آبادی میں' وہ دیہاتوں اور جنگلوں میں رہتی ہو یا شہروں میں' فوجی کارروائی کے ذریعہ حالات کو کنٹرول کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ کامیابی کا کوئی امکان اگر ہو سکتا ہے تو صرف لاشوں کے ڈھیر اور کھنڈرات کے اوپر۔ یہ قیمت فاتحین تو ادا کر سکتے ہیں' اپنے ملک کی فوج نہیں' جو اپنی قوم کا حصہ ہی نہیں' اس کے سامنے جواب دہ ہی نہیں' بلکہ بین الاقوامی رائے عامہ کے سامنے بھی جواب دہ ہو۔ مشرقی پاکستان' آئرلینڈ' سری لنکا' مشرقی پنجاب' کشمیر' فلسطین' لبنان' افغانستان' ایک نہیں بے شمار مثالیں سامنے موجود ہیں۔ ان سے صرفِ نظر کرنا دانشمندی نہ ہوگی۔

یہ بات صحیح ہے کہ ہر مقام بالکل سندھ کے مماثل نہیں' لیکن مماثل عوامل کی کمی بھی نہیں۔ اس بات میں بھی وزن ہے کہ ان سارے مقامات پر فوج بمقابلہ آبادی ہے' سندھ میں فوج بمقابلہ ڈاکو اور مجرم ہو گی۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ ان سارے مقامات پر ساری عام آبادی فوج کے خلاف کھڑی ہوئی ہے۔ اکثر مقامات پر قلیل گروہ ہیں' لیکن عام آبادی ان کی پشت پناہی کرتی ہے جن کے خلاف فوج کارروائی کرتی ہے' یا کم سے کم فوج کے ساتھ تعاون نہیں کرتی۔ اس لیے کہ عام لوگوں کی نظر میں یا تو وہ موردِ الزام نہیں' یا اگر ہیں تو کارروائی کرنے والے زیادہ موردِ الزام ہیں' یا وہ ان کی محرومیوں اور ان کے خلاف بے انصافیوں کے ذمہ دار ہیں' یا ان کی فوجی کارروائی جانبداری اور ظلم پر مبنی ہے۔ ان میں سے کون سا احساس ہے جو آج سندھ میں موجود نہیں ہے؟ اگر آج چھوٹے سے بیج کی صورت میں ہے تو کیا وہ کل ایک تن آور درخت نہیں بن سکتا؟ کیا آج کے مجرم جن سے لوگ تنگ ہیں' اچانک کل کے ہیرو بن جائیں تو یہ کوئی انوکھی بات ہو گی؟ اگر تلہ کیس بالکل بے بنیاد تو نہ تھا' لیکن گواہ منحرف ہو گئے' مجیب الرحمٰن ہیرو بن گیا' جسٹس رحمٰن کو فرار ہو کر جان بچانا پڑی۔

جہاں آبادی کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش ہی نہ کی گئی ہو' شمہ برابر اہمیت ہی نہ دی گئی ہو' وہاں وہ تعاون کیوں کرے گی؟ اس مفروضہ سے تو کام نہ چلے گا کہ لوگ ڈاکوؤں سے تنگ ہیں۔ شہروں میں تو کارروائی کرنا' نقل و حرکت کرنا' مجرموں کو تلاش کرنا کتنا مشکل' کتنا خطرناک اور کتنی نفری اور قوت کا طالب ہے' یہ آپریشن کے منصوبہ ساز ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ ہر قسم کے سازو سامان سے لیس بڑی بڑی فوجیں اور فاتحین' شہروں کے دروازوں پر آکر بے بس ہو جاتے ہیں' اندر کچھ کرنا تو دور رہا۔ ایم کیو ایم کے نام پر دہشت گردی کرنے والوں کی سرکوبی نہ کی جائے گی تو آپریشن نہ غیر جانبدارانہ ہو گا' اور نہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گا۔ شہروں میں ایک بڑی اکثریت ایم کیو ایم سے وابستہ ہے جو کھلم کھلا اس آپریشن کی مخالف ہے۔ اس آبادی کو اگر عملی عدم تعاون یا مزاحمت کی راہ پر ڈال دیا گیا تو آپریشن کیسے کامیاب ہو گا؟ اور اگر بظاہر وقتی طور پر کچھ کار آمد ہوا بھی تو جو زخم جسدِ قومی پر لگیں گے ان کا مداوا کیا اور کیسے ہو گا؟

جنگلات اور دیہاتوں میں اور شہری علاقوں میں بھی اسی نوعیت کی مشکلات ہو سکتی ہیں' اور اسی پیمانہ کی۔ سندھی آبادی کا خاصا بڑا حصہ پیپلز پارٹی کا حامی ہے' جس کو ظلم و جبر سے دبانے اور کچلنے کی پالیسی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ پڑھے لکھے نوجوانوں کی معقول تعداد جیے سندھ کی ہم نوا ہے۔ اسی فوج کی قوت کے بل پر جو' اب یہ آپریشن کر رہی ہے' یکے بعد دیگرے تین سندھی

وزیراعظم رخصت کیے جا چکے ہیں۔ کارروائی کرنے والی فوج میں خود سندھیوں کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہے۔ کیا یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ لمبے عرصے کے تناظر میں یہ عوامل فوجی آپریشن کے خلاف کتنے حقیقی اور مؤثر ہتھیار ثابت ہو سکتے ہیں' اور چند معمولی غلطیوں کا فلیتہ کس طرح بارود کا زلزلہ خیز دھماکہ بن سکتا ہے؟

وسیع آبادیوں میں اس نوعیت کے فوجی آپریشن کی کامیابی کے لیے یہ ضروری ہے کہ مجرم ممیز ہوں ——— صرف حکمرانوں اور کمانڈروں کی نگاہ اور علم میں نہیں' بلکہ آبادی کے ذہن میں بھی ——— اور آبادی' کارروائی کرنے والوں کے ساتھ عملی تعاون کرے' مجرموں کی نشان دہی کرے' ان کو پناہ نہ دے' ان کو پکڑوائے' ان کے خلاف کارروائی ہو تو ان کی حمایت میں آواز نہ اٹھائے؟ کیا اس وقت یہ صورتِ حال ہے' یا اس فضا کو پیدا کرنے کا سوچا گیا ہے' یا اس کے لیے کچھ کیا جا رہا ہے؟ اس کے دور دور آثار موجود نہیں ہیں۔

یہ بات تو ہم کہہ رہے ہیں' اس وقت کی جب کہ صرف عوامی عدم تعاون یا مزاحمت ہو' اس کے علاوہ اور کوئی دوسرے عوامل مزاحم نہ ہوں۔ بدقسمتی سے سندھ میں اور کئی طاقت ور عوامل ہیں جو اس آپریشن کو ناکام بنا سکتے ہیں۔

سب سے بڑھ کر تو سول انتظامیہ ہے' جس سے ہماری مراد سیاسی حکومت' بیوروکریسی اور پولیس سب ہیں۔ فوجی کارروائی کا جواز اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے جب سول انتظامیہ بگاڑ کا مقابلہ اپنی پوری قوت سے کر رہی ہو' اور عارضی طور پر اس کی کوششیں ناکافی ثابت ہو رہی ہوں۔ فسادی عناصر اس کے قابو میں نہ آ رہے ہوں۔ ایسے حالات میں فوج عارضی طور ہی پر آتی ہے' اتنی ہی قوت لاتی ہے جو ناگزیر ہو' اور کم سے کم مدت میں سول انتظامیہ کی طاقت بحال کرکے اور فسادی عناصر کی قوت توڑ کے واپس چلی جاتی ہے۔ اس طرح کی فوجی کارروائی کی تازہ ترین مثال لاس اینجلز میں نسلی فسادات پر قابو پانے کے سلسلے میں ہے۔

ہماری رائے میں سندھ کی سول انتظامیہ کی صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔ امن وامان قائم رکھنے میں اس کی ناکامی کوئی عارضی واقعہ نہیں' وہ کئی برس سے مسلسل ناکام ہے۔ پھر یہ ناکامی صرف مجرموں اور ڈاکوؤں کو پکڑ نہ سکنے کی وجہ سے نہیں' بلکہ اس میں سیاسی عناصر کی مداخلت' رشوت اور بدعنوانی' پولیس فورس کی دقیانوسی تربیت' مزاج اور سازو سامان کو بھی دخل ہے۔ اس میں مارشل لا اور ایجنسیوں کی سرپرستی نے بھی بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ فوجی کارروائی سے

مجرموں کو پکڑا جا سکتا ہے' ان مواقع کا تدارک نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے بڑھ کر خطرناک بات یہ ہے کہ سول انتظامیہ خود امن و امان بگاڑنے میں شریک ہے۔ ڈاکوؤں کے سرپرست اور دہشت گرد وزیر بنے بیٹھے ہیں' انتظامیہ اور پولیس میں بھی ہیں۔ وہ مجرموں کو پالتے ہیں' ان کی پشت پناہی بھی کرتے ہیں' ان سے ڈاکے ڈلواتے ہیں' تاوان کی ادائیگی کی بات چیت بھی کراتے ہیں' زرِ تاوان کی ادائیگی بھی کراتے ہیں' اور اس لوٹ مار کے مال میں سے اپنا حصہ بھی وصول کرتے ہیں۔

یہ ہے وہ انتظامیہ جس کی مدد کے لیے فوج کو کارروائی کرنے کے لیے بلایا گیا ہے' اور عارضی طور پر ابتدا میں ۶ ماہ کے لیے بلایا گیا ہے۔ سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کیا سول انتظامیہ خود اس فوج کے ساتھ تعاون کرے گی جسے' اس کی امداد کے لیے' اس سے ہی' اخباری اطلاعات کے مطابق "جبرا" بلوایا گیا ہے' اس فوج کے ساتھ جس کے اداروں کے بارے میں وہ جانتی ہے کہ وہ بھی حالات کو بگاڑنے میں بے قصور نہیں ہیں ؟ ہماری رائے میں اس کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔

اس نوعیت کی فوجی کارروائی کے لیے' جس کا مقصد کسی وقتی فساد پر قابو پانا نہیں' ضروری ہے کہ صحیح معلومات ہوں' صحیح افراد کی نشان دہی ہو' صحیح ٹھکانوں تک پہنچا جائے' پہنچنے سے پہلے وہ باخبر نہ ہوں' گردو پیش کی آبادی کو پریشان کیے بغیر صرف مجرموں کو گرفت میں لیا جائے' اور ان کو جلد از جلد سزا دے دی جائے۔ ان کاموں کے لیے فوج کو بڑی حد تک سول انتظامیہ پر انحصار کرنا پڑے گا۔ فوج کو وہ معلومات نہیں ہو سکتیں جو رات دن سول انتظامیہ چلانے والوں کے پاس ہو سکتی ہیں' اس سے قطع نظر کہ خود ان کی معلومات کس حد تک مکمل اور صحیح ہوں گی۔ سابق مشرقی پاکستان کے ایک ڈپٹی مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے الفاظ میں : مارشل لا ہم لگاتے ہیں' مگر جلد ہی ہم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم بیوروکریسی کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتے اور وہ ہمارے سارے عزائم خاک میں ملا دیتی ہے۔ کیا انتظامیہ فوجی آپریشن کرنے والوں کو صحیح ٹھکانوں تک پہنچ کر صحیح افراد کی سرکوبی کرنے میں مدد دے گی؟

ہمیں خدشہ ہے کہ تعاون کے بجائے دونوں اداروں کے درمیان رقیبانہ اور حریفانہ آویزش پیدا ہو سکتی ہے۔ لاہور میں گلبرگ تھانہ میں ایک معمولی تنازع پر دونوں ادارے باہم دست بگریبان ہو گئے۔ سندھ میں تو بہت کچھ داؤ پر لگا ہوا ہے۔ وہاں ایسا کیوں نہ ہوگا؟ اگر بات عدم تعاون تک رہے تو فوجی کارروائی سخت مشکل سے دوچار ہو جائے گی۔ لیکن اگر کہیں معاملہ سول

انتظامیہ کی طرف سے عمداً فوجی آپریشن کے سبوتاژ تک پہنچ گیا' تو اس آپریشن کی کامیابی ممکن نہ رہے گی۔ اگر کارروائی کرنے والے خود غلطیاں نہ بھی کریں' تو بھی ان سے ایسی غلطیاں کرائی جا سکتی ہیں جو فوج کو زبردست نقصان پہنچائیں۔

ہر فوجی کارروائی کے بعد مقامی طور پر حالات کو سنبھالنا (یا بگاڑنا) سول انتظامیہ کا کام ہوگا۔ جب فوجی آپریشن ختم ہوگا' (٦ ماہ یا اس سے بھی زیادہ وقت میں)' اور مریض آپریشن سے صحیح سلامت بچ نکلا' تو پھر تو پورے صوبہ میں امن و امان کا انتظام اسی سول انتظامیہ کے پاس آئے گا جو اس بگاڑ کی ذمہ داری میں شریک ہے۔ اگر ڈاکوؤں اور مجرموں کے استیصال کے بعد' (اگر وہ ہو سکا)' مابعد آپریشن خبر گیری انہی کے ان شرکاء اور سرپرستوں کے سپرد کی جائے گی جو سول انتظامیہ میں شریک ہیں' تو مریض کا کیا بنے گا؟ یہ تصور کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔

پھر اگر آپریشن کا وقت طول پکڑتا گیا' (٦ ماہ کی توسیع کی بات تو ابھی ہو رہی ہے)' یا آپریشن کے بعد خبر گیری کا کام بھی فوج نے سنبھالنا ضروری سمجھا' (جو ایک منطقی نتیجہ سا محسوس ہوتا ہے)' تو نہ صرف فوجی انتظامیہ ان تمام خرابیوں میں ملوّث ہو جائے گی جن میں سول انتظامیہ ملوث ہے' بلکہ مارشل لائی نظام کے وہ تمام مفاسد جنم لیں گے جن کا مشاہدہ اس ملک میں ہم بار بار کر چکے ہیں اور جو سندھ میں امن و امان کی خرابی سے بھی بدتر صورت حال پیدا کر دیں گے۔

ہم یہاں ان دو خارجی عوامل کا صرف ذکر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جو اس فوجی آپریشن کی ناکامی' سندھ میں حالات کی ابتری' پاکستان کے عدم استحکام اور تقسیم سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایک ہندوستان' جو ہمارے حکمرانوں کے اعلانات کے مطابق اب بھی موجودہ صورت حال کا ذمہ دار ہے' اور جو آپریشن کے شروع ہونے کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال میں' کسی وقت بھی کہیں بھی' اور کسی نوعیت کی بھی مداخلت کر سکتا ہے۔

دوسرے نیو ورلڈ آرڈر۔ پاکستان جیسے مسلم ملک میں بدامنی' ابتری' انتشار پھیلانا' اس میں عدم استحکام پیدا کرنا' اور اس کو مزید چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرنا' اس نیو ورلڈ آرڈر کے نمایاں اہداف میں سے ہے۔

فوجی آپریشن کے منصوبے اور تنفیذ ہی میں اگر خامیاں موجود ہوں تو عام آبادی اور سول انتظامیہ کی طرف سے عدم تعاون' مزاحمت' یا سبوتاژ اور خارجی عوامل کی مداخلت کے لیے بڑا زرخیز میدان پیدا ہو جائے گا۔ اس لیے سب سے پہلے تو اس پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ

منصوبے میں خامیاں نہ ہوں' اور جو خامیاں سامنے آئیں یا غلطیاں سرزد ہوں' ان کا بروقت اور مؤثر تدارک کیا جائے۔ بعض چیزیں جو بہت خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں' آپریشن سے پہلے ہی یا شروع ہوتے ہی سامنے آئی ہیں' یہ آپریشن کے تصور اور طریق کار اور ملک کے سیاسی اور فوجی نظام میں مضمر ہیں۔ اس لیے ان کا وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی اندازہ کرلینا کچھ مشکل بھی نہ تھا۔ ہم ان کی نشان دہی کرنا اور اس ضمن میں بعض اہم سوالات اٹھانا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ پاکستان میں دستور و قانون کی حکومت ہے۔ فوجی آپریشن بھی' جب تک مارشل لا نہ ہو' اسی دستور و قانون کے دائرہ میں ہوگا۔ اس آپریشن کی دستوری و قانونی حیثیت کیا ہے؟ اس بارہ میں جتنی تضاد بیانی اور ژولیدہ فکری کا مظاہرہ ہوا ہے وہ اس سنگین شبہ کو جنم دیتا ہے کہ اتنے بڑے آپریشن کے بارے میں کوئی منظم غور و فکر نہیں ہوا ہے' نہ اس کے اہداف و حدود اور ضروریات کا تعین ہوا ہے' نہ کوئی مکمل منصوبہ تیار ہوا ہے۔ اگر ہوا ہے تو اس کی ہوا نہیں لگنے دی جارہی ہے۔ وزیر داخلہ ایک ایسی دفعہ کا حوالہ دیتے ہیں جس کے تحت کارروائی ہونا ممکن نہیں' وزیراعظم کچھ اور فرماتے ہیں' اور دیگر مراکزِ اختیار کچھ اور۔ اب یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ ضرورت پیش آئی تو دفعہ ۲۴۵ بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔ یہ ایک ایسی دفعہ ہے' جس کے تحت بنیادی حقوق بھی معطل ہو سکتے ہیں' اور عدالتوں کا اختیار بھی۔ کیا نقشہ کار اور متوقع ضروریات ابھی واضح نہیں ہیں کہ اتنے اہم اقدام کا فیصلہ کیا جاسکے؟ یا اقساط میں وہی کچھ کرنا طے ہے جو بے نظیر حکومت اور فوج کے درمیان مابہ النزاع تھا؟

۲۔ فوجی آپریشن کی کامیابی کے لیے ایک شرط جس پر سب نے زور دیا ہے' اور صحیح دیا ہے' وہ مکمل غیر جانبداری ہے۔ کسی نے یوں کہا ہے کہ صرف دیہی علاقوں میں نہ ہو شہروں میں بھی ہو' کسی نے یوں کہ بلا رو رعایت ہو' کسی نے یوں کہ سیاسی اثرات و مفادات آڑے نہ آئیں' کسی نے یوں کہ سیاسی مقاصد حاصل نہ کیے جائیں۔

اس شرط کے آپریشن کی کامیابی کے لیے ناگزیر ہونے سے انکار ممکن نہیں۔ لیکن اس کی پابندی جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

ایم کیو ایم کی صفوں میں قاتلوں' دہشت گردوں اور مجرموں کے گھس آنے کا' ماسوائے ایم کیو ایم کے' سب کو اعتراف ہے۔ ایم کیو ایم وہ واحد سیاسی قوت ہے جو اس آپریشن پر سخت برہم ہے' اور سب سے زیادہ شور مچا رہی ہے۔ چیف آف اسٹاف کے الفاظ میں "جس کے دل میں چور ہوتا ہے وہ شور مچاتا ہے"۔ گویا ایم کیو ایم کے دل میں سب سے بڑا چور ہے۔ ہم بلا

ثبوت کسی پر الزام لگانے کو' اور بلا عدل کے تقاضے پورے کیے کسی کو گرفتار کرنے یا سزا دینے کو گناہِ کبیرہ سمجھتے ہیں' خواہ اس کا تعلق ایم کیو ایم سے ہو یا پیپلزپارٹی سے۔ اگر ایم کیو ایم کے خلاف جرم ثابت ہوتا ہے تو ان کے خلاف کارروائی ہونا چاہیے۔

لیکن جو اپنے دل میں سب سے بڑا چور رکھتے ہیں ان پر سندھ میں اس مصنوعی سول حکومت کے وجود کا انحصار ہے جس کو جناب صدر' وزیر اعظم اور جام صادق ہر قسم کے جائز اور ناجائز طریقے استعمال کر کے بر سرِاقتدار لائے اور رکھے ہوئے ہیں۔ اس طرح' بالواسطہ' وہ مرکزی حکومت کی ضرورت بھی ہے۔ ان کو عوامی حمایت بھی حاصل ہے۔ کیا ایم کیو ایم سے تعلق رکھنے والے امن و امان خراب کرنے والے عناصر کے خلاف بلا رو رعایت کارروائی کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے؟ اگر ہاں' تو کیا یہ بھی طے کرلیا گیا ہے کہ جو بھی سیاسی قیمت ادا کرنا پڑے اس کے باوجود یہ کارروائی کی جائے گی؟ صوبائی حکومت ٹوٹ سکتی ہے' مرکزی حکومت کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے' کراچی میں مزاحمت ہو سکتی ہے' امن و امان کو مزید خراب کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اس کا بھی امکان ہے کہ ایم کیو ایم کا شور واویلا' گیدڑ بھبکیاں ثابت ہوں' لیکن آپریشن اس مفروضہ پر تو نہیں کیا جا سکتا۔

کراچی میں ایم کیو ایم کے طالب علم لیڈر شہود الحق کی گرفتاری' اس پر مرکزی حکومت میں ایم کیو ایم کے وزرا کا نیشنل اسمبلی سے واک آؤٹ' اور پھر اس کی رہائی' اس پورے عمل سے فوجی آپریشن کی ساکھ کو بڑا دھچکا لگا ہے۔ اگر شہودالحق کے خلاف ثبوت موجود نہ تھا تو اس کو گرفتار رکھے رکھنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ لیکن پھر اس کو گرفتار بھی نہیں کیا جانا چاہیے تھا۔ اگر مضبوط شواہد کے بغیر گرفتار کیا گیا تو یہ غلط تھا' اور اگر ایم کیو ایم کے احتجاج کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا تو یہ بھی غلط ہوا۔

ایم کیو ایم کی طرح دیگر بااثر عناصر بھی ہیں جو سندھ اور مرکز کی حکومتوں میں شریک ہیں' اور جو جرائم پیشہ افراد کی سرپرستی کرتے رہے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی یہی سوال' جواب کے محتاج ہیں۔

۳ - آپریشن کی کامیابی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ صرف وہ پکڑے جائیں جو واقعی مجرم ہیں' اور صرف وہ ٹھکانے تباہ کیے جائیں جو جرائم کے اڈے ہیں۔ اس مقصد کے لیے صحیح معلومات ضروری ہیں۔ عموماً سول انتظامیہ بھی ایسی معلومات پوری طرح نہیں رکھتی' اگرچہ سندھ میں اس کے پاس کافی معلومات ہونا چاہئیں' اس لیے کہ وہ خود شریکِ جرائم ہے' اور نادان کے

لین دین کراتی رہی ہے۔ لیکن اس کا امکان کم ہے کہ سندھ انتظامیہ یہ معلومات فوج کو فراہم کرے اور خود فوج کے پاس ان معلومات کا ہونا ممکن نہیں۔

ہم نہیں جانتے کہ ٹنڈو بہاول میں ۹ بے گناہ افراد کے مار دینے کا واقعہ کسی فوجی یا سول افسر کے ذاتی مفادات کی وجہ سے ہوا' یا عملاً آپریشن کو سبوتاژ کرنے کے لیے' یا غلط معلومات کی وجہ سے۔ لیکن اگر غلط معلومات کی وجہ سے ہوا' تو ابھی ایسے کئی واقعات کے ہونے کا پورا پورا امکان ہے۔ اور اگر دیگر وجوہات سے ہوا' تو بھی مزید ایسے واقعات ہونے کا امکان موجود ہے۔

چیف آف آرمی اسٹاف کی طرف سے یہ اعلان کہ "ہم خوب جانتے ہیں کہ مجرم اور ڈاکو کون ہیں' اور وہی پکڑے جائیں گے" کچھ اتنے بے جا اعتماد اور یقین سے بھرپور تھا کہ اس کی صحت مشکوک محسوس ہو رہی تھی۔ اگر اپنی معلومات کے غلط ہونے کے امکانات کا پورا اندازہ نہ ہوا' تو اس نوعیت کی غلطیاں لازماً" ہوں گی۔

۴۔ اس نوعیت کی کارروائی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ کم سے کم شور و غوغا ہو' جن کو پکڑنا ہے وہ آگاہ نہ ہونے پائیں' کارروائی سریع رفتار کے ساتھ کم سے کم وقت میں مکمل ہو جائے۔ اس آپریشن کے معاملے میں اعلان سے اقدام تک اتنا وقت لگا ہے' اتنا شور مچایا گیا ہے' اور اتنے کنفیوژن کا اظہار کیا گیا ہے کہ مطلوبہ افراد کے لیے اپنے بچاؤ کے سارے سامان کر لینا کچھ مشکل نہیں رہا۔ پولیس پارٹی چھاپہ مارنے پہنچ بھی جائے' چند گھنٹوں کا نوٹس مل جائے تو مجرم افراد بآسانی خود کو بچا لیتے ہیں۔ کسی دیہات یا شہری محلے میں کسی ایک فرد کو روپوش کر لینا کیا مشکل ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اب مطلوبہ افراد مشکل سے ہی ہاتھ آئیں گے۔ ڈھاکہ میں جنرل یحییٰ کی روانگی (جو مذاکرات کے ختم ہو جانے کا سگنل تھا) اور آپریشن کے درمیان مشکل سے ۶ گھنٹے کا وقفہ ہوا۔ لاشیں تو بہت ڈھیر ہو گئیں' بے گھر بھی بہت لوگ ہو گئے' محلے کے محلے نذر آتش کر دیے گئے' لیکن کوئی لیڈر ہاتھ نہ لگا' نہ کوئی سرگرم کارکن پکڑا گیا۔

۵۔ کارروائی کرنے والوں سے غلطیاں کم سے کم ہونا چاہئیں' لیکن کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوں گی۔ شہود الحق کی رہائی' جامشورو میں ۹ بیگناہوں کا قتل' حراست میں تین افراد کی ہلاکت ــــــ آغاز کچھ خوش آئند نہیں ہوا ہے۔ ان غلطیاں کرنے والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ یہ بڑا بنیادی سوال ہے۔ مشرقی پاکستان اور بلوچستان میں جو کچھ ہوا' اس کا تصور بھی لرزہ خیز ہے۔ لیکن کسی ایک مجرم کے خلاف بھی کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ آن بان اور مورال' اخلاقی اور قانونی تقاضوں پر حاوی رہے۔ کیا یہی کچھ سندھ میں ہو گا؟ حادثہ' جامشورو کے بعد اعلیٰ کمان میں

تبدیلیاں اور ملزم کے خلاف کارروائی کا آغاز' اپنی نوعیت کے پہلے واقعات ہیں' اور خوش آئند ہیں۔ جرم شہری کرے' فوجی کرے' سول افسر کرے' ڈاکو کرے' اسلام کے قانونِ عدل کے تحت ان کے درمیان کوئی فرق و امتیاز نہیں برتا جا سکتا' نہ برتا جانا چاہیے۔ ہم اینگلو سیکسن لا کے نہیں' ان شاندار روایات کے امین ہیں جن کے تحت بادشاہ بھی قاضی کے سامنے حاضر ہو جایا کرتے تھے' شاہی خاندان سے بھی قصاص لیا جاتا تھا' گورنروں کو بھی مدعی سے برسرعام کوڑے لگوا دیے جاتے تھے۔ ان روایات سے جو آن بنتی ہے' جو مورال بنتا ہے' وہ عزت برقرار رکھنے کے لیے مجرموں کی پردہ پوشی سے نہیں بنتا۔

۶۔ کیا یہ بات بھی سوچ لی گئی ہے کہ اس نوعیت کے آپریشن کو شروع کرنا بہت آسان ہے' روکنا اور ختم کرنا بہت مشکل ؟ کیا یہ اندازہ لگا لیا گیا ہے کہ کیا کرنا ہے' کتنی قوت درکار ہوگی' کتنا وقت لگے گا' کیا مزاحمتیں متوقع ہیں' کیا غیر متوقع مزاحمتیں پیش آسکتی ہیں' حالات کہاں اور کس طرح قابو سے باہر ہو سکتے ہیں' دائرہ کار توقع سے کہیں زیادہ وسیع' اور مدت کہیں زیادہ طویل ہو سکتی ہے؟ اگر نہیں' تو آپریشن کا آغاز کرنا ایک ایسی دلدل میں اترنے کے مترادف ہوگا جس سے نکلنا مشکل ہو جائے' اور مزید دھنستے چلا جانا زیادہ قرین قیاس۔

ہم توقع رکھتے ہیں کہ صدر' وزیراعظم' چیف آف آرمی اسٹاف اور دیگر ذمہ دار وزرا اور افسروں نے درج بالا سوالات' خطرات' خدشات اور امکانات پر ضرور غور کر لیا ہوگا' اور ہم سے بہتر انداز میں کر لیا ہوگا' اور ان سب کی گنجائش اور مداوا ان کے منصوبے میں ہی ضرور موجود ہوگا۔ بلکہ انہوں نے ایسے پہلو بھی سوچ لیے ہوں گے' اور ان کی گنجائش بھی اپنے منصوبے میں رکھی ہوگی' جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوں اور جن سے وہ' زمام کار ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے' ہم سے زیادہ واقف ہیں۔

لیکن ہم یہ بات کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ اب تک کے بیانات اور اقدامات ہماری توقعات کی تائید نہیں کرتے۔ اس صورت حال کی طرف ہم اوپر اشارے کرتے چلے آئے ہیں۔

اگر ہمارے خدشات صحیح ہیں کہ یہ آپریشن مسائل کو حل نہیں کر سکے گا اور ان تمام پہلوؤں سے نپٹنے کے لیے تیار نہیں' تو ہمیں ڈر ہے کہ اس کے نتیجے میں سندھی اور مہاجر دونوں ہی بہت دور چلے جائیں گے' پاکستان کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے' اور فوج کا وقار' عزت'

، اور اس کے لیے محبت مجروح ہو سکتی ہے' جو فی نفسہ ملک کا عظیم الشان سرمایہ ہے۔

آخری لیکن سب سے زیادہ سنگین اور نازک سوال تو یہ ہے کہ اگر فوجی آپریشن اپنے اہداف کے حصول میں' ایک معقول مدت میں' بغیر کسی سنگین تر مسئلے کو جنم دیے' کامیاب بھی ہو جائے' تب بھی یہ اس مسئلے کا حل نہیں ہوگا جس میں نہ صرف سندھ گرفتار ہے' بلکہ پورا پاکستان گرفتار ہے۔ یہ مسئلہ ایک جامع حل کا متقاضی ہے۔ یہ حل فوج فراہم نہیں کر سکتی۔ بدقسمتی سے موجودہ حکمران بھی اس استعداد و اہلیت سے عاری نظر آرہے ہیں جو یہ حل فراہم کر سکے۔ تو پھر صرف تنہا فوجی آپریشن کی کامیابی سے کیا حاصل ہوگا؟

صرف حکومت ہی نہیں' ملک کی تمام سیاسی اور دینی قیادت کو اس سوال پر فوری توجہ دینی چاہیے' اور محض اپنے گروہوں کے مفاد کے لیے نہیں' اس عظیم ملک کے تحفظ اور بقا کے لیے جسے برصغیر کے مسلمانوں نے بڑی تمناؤں اور بڑی قربانیوں سے حاصل کیا ہے' اور جو آج تاریخ کی گرانقدر امانت کے طور پر ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ آزمائش کی اس نازک گھڑی میں قوم اور اس کی قیادت کی صحیح رہنمائی فرمائے اور غیب سے ایسا سامان کردے کہ آشیانہ نہ صرف قائم رہے بلکہ اس کے در و دیوار اور بھی روشن ہوں' اور اسلامی نظام کے قیام کی صبح اس کے اُفق پر پورے جمال کے ساتھ طلوع ہو سکے۔

حکمتِ مودودیؒ

سمع و طاعت اور نظمِ جماعت کی پابندی

آپ چند مٹھی بھر آدمی ہیں جو تھوڑے سے وسائل لے کر میدان میں آئے ہیں اور کام آپ کے سامنے یہ ہے کہ فسق اور جاہلیت کی ہزاروں گنی زیادہ طاقت اور لاکھوں گنے زیادہ وسائل کے مقابلے میں نہ صرف ظاہری نظامِ زندگی کو بلکہ اس کی باطنی روح تک کو بدل ڈالیں۔ آپ خواہ تعداد کے لحاظ سے دیکھ لیں یا وسائل کے لحاظ سے' آپ کے اور ان کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہے۔ اب آخر اخلاق اور نظم کی طاقت کے سوا اور کون سی طاقت آپ کے پاس ایسی ہو سکتی ہے' جس سے آپ ان کے مقابلے میں اپنی جیت کی امید کر سکیں؟ آپ کی امانت و دیانت کا سکہ اپنے ماحول پر بیٹھا ہوا ہو' اور آپ کا نظم اتنا زبردست ہو کہ آپ کے ذمہ دار لوگ جس وقت جس نقطے پر جتنی طاقت جمع کرنا چاہیں' ایک اشارے پر جمع کر سکیں' تب ہی آپ اپنے مقصدِ عظیم میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

اسلامی نقطہ' نظر سے اقامتِ دین کی سعی کرنے والی ایک جماعت میں جماعت کے اولی الامر کی اطاعت فی المعروف دراصل اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا ایک جز ہے۔ جو شخص اللہ کا کام سمجھ کر یہ کام کر رہا ہے اور اللہ ہی کے کام کی خاطر جس نے کسی کو اپنا امیر مانا ہے' وہ اس کے جائز احکام کی اطاعت کر کے دراصل اس کی نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے۔ جس قدر اللہ سے اور اس کے دین سے آدمی کا تعلق زیادہ ہوگا' اتنا ہی وہ سمع و طاعت میں بڑھا ہوا ہوگا' اور جتنی اس تعلق میں کمی ہوگی اتنی ہی سمع و طاعت میں بھی کمی ہوگی۔ اس سے بڑی قابلِ قدر قربانی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس شخص کا آپ پر کوئی زور نہیں ہے اور جسے محض خدا کے کام کے لیے آپ نے امیر مانا ہے' اس کا حکم آپ ایک وفادار ماتحت کی طرح مانیں اور اپنی خواہش اور پسند اور مفاد کے خلاف اس کے ناگوار احکام تک کی بسر و چشم تعمیل کرتے جائیں۔ یہ قربانی چونکہ اللہ کے لیے ہے اس لیے اس کا اجر بھی اللہ کے ہاں بہت بڑا

بقیہ بر صفحہ ۵۶

فہم قرآن: تفاسیر کی روشنی میں

اخذ و ترتیب: خرم مراد

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭاِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (الانفال ۸: ۴۵-۴۶)

اے ایمان والو' جب بھڑو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو' اور اللہ کو بہت یاد کرو' تاکہ تم مراد پاؤ۔ اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا' اور آپس میں نہ جھگڑو' پھر نامرد ہو جاؤ گے' اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا' اور صبر کرو' بیشک اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے۔ (موضح الفرقان: شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ)

اے ایمان لانے والو' جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو' توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو' یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (تفہیم القرآن: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

تفسیر القرآن العظیم: حافظ عماد الدین اسمٰعیل بن کثیرؒ

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو جنگ کے آداب اور دشمن سے مقابلہ کے وقت شجاعت کی تعلیم دے رہا ہے۔

عبداللہ بن اوفیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غزوات میں انتظار فرمایا یہاں تک کہ سورج غروب ہوا' تو آپؐ نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا' اے

لوگو! دشمن سے لڑنے کی تمنا نہ کرو' اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے رہو۔ لیکن جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدمی دکھاؤ' اور یقین جانو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ پھر آپؐ نے کھڑے ہو کر دعا فرمائی کہ اے کتاب نازل فرمانے والے' بادلوں کو چلانے والے' اور لشکروں کو شکست دینے والے اللہ' ان کافروں کو شکست دے اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کرو' اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو' لیکن جب مقابلہ پیش آجائے تو ثابت قدمی دکھاؤ' اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ اور اگر وہ شور مچائیں' چیخیں چلائیں تو تم خاموشی اختیار کرو۔ زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ کو تین مواقع پر خاموشی پسند ہے۔ قرآن کی تلاوت کے دوران' لڑائی کے وقت' اور جنازہ کے موقع پر (طبرانی)۔ ایک اور حدیث میں ہے' میرا کامل بندہ وہ ہے جو لڑائی کے وقت بھی میرا ذکر کرتا ہے۔ یعنی اس حال میں بھی مجھے یاد کرنے' مجھ سے دعا کرنے اور مدد طلب کرنے کو ترک نہیں کرتا۔

حضرت قتادہؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کو اس حال میں بھی فرض کر رکھا ہے جب پوری تیزی کے ساتھ تلوار چل رہی ہو۔ حضرت عطاؒ کا قول ہے' چپ رہنا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا لڑائی کے وقت واجب ہے' پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ابن جریجؒ نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا ہم اللہ کو بلند آواز سے یاد کریں؟ آپ نے جواب میں فرمایا' ہاں۔ حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ کو تلاوتِ قرآن اور ذکر سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگوں کو نماز اور قتال کے وقت اس کا حکم نہ دیا جاتا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ جنگ کے وقت بھی ذکر کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

شاعر کہتا ہے' میں جنگ وجدال کے وقت بھی میرے دل میں تیری یاد ہوتی ہے۔" عنترہ کہتا ہے' نیزوں اور تلواروں کی جھنکار میں بھی میں تجھے یاد کرتا ہوں۔"

پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دشمنوں سے مقابلے کے وقت ثابت قدم رہنے اور میدان جنگ میں صبرو استقامت کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ کہ اس وقت نہ فرار اختیار کرو' اور نہ نامردی اور بزدلی دکھاؤ' بلکہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو' اس کو نہ بھولو' اسی سے مدد طلب کرو' اسی پر بھروسہ کرو' اور اسی سے دشمنوں پر غالب ہونے کا سوال کرو۔

اور یہ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ جن باتوں کا اس نے حکم دیا ہے' انھیں بجا لاؤ۔ جن سے اس نے منع کیا ہے' ان سے رک جاؤ۔

اور یہ کہ آپس میں جھگڑے نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم ذلیل ہو جاؤ گے' اور بزدلی جم جائے گی۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ یعنی تمہاری قوت' وحدت اور سربلندی جاتی رہے گی۔ اور فرمایا' صبر کرو' بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شجاعت و بہادری' اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم بجا لانے اور ہدایت کی راہ پر چلنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کی مثال نہ پہلی امتوں اور ادوار میں ملتی ہے' اور نہ بعد میں۔ اور یہ رسول اللہؐ کی برکت اور ان کی اطاعت کا ثمر ہے کہ مختصر سی مدت میں انھوں نے نہ صرف مشرق و مغرب کے ممالک فتح کیے بلکہ لوگوں کے دلوں کو بھی مسخر کیا۔ ان کی تعداد اگرچہ تمام ممالک کے لشکروں' رومیوں' ایرانیوں' ترکوں' صقالیہ' بربروں' حبشیوں' سوڈانیوں' قبطیوں اور تمام اقسام کے گروہوں سے کم تھی' لیکن انھوں نے سب کو مغلوب کر لیا۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم بلند ہو گیا' اس کا دین تمام ادیان پر غالب ہو گیا' اور اسلامی سلطنت کی سرحدیں مشرق و مغرب میں تیس سال سے کم مدت میں پھیل گئیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ان کو بھی راضی کرے۔ ہمارا انجام بھی اس گروہ میں ہو۔ بے شک وہ کریم اور وہاب ہے۔

موضح الفرقان: مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

ذکر میں نماز' دعا' تکبیر' اور ہر قسم کا ذکر اللہ شامل ہے۔ "اللہ" کی تاثیر یہ ہے کہ ذاکر کا دل مضبوط اور مطمئن ہوتا ہے جس کی جہاد میں سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا سب سے بڑا ہتھیار یہ ہی تھا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد ۲۸)

یعنی ہوا خیزی ہو کر اقبال و رعب کم ہو جائے گا۔ بد رعبی کے بعد فتح و ظفر کیسے حاصل کر سکو گے۔ جو سختیاں اور شدائد جہاد کے وقت پیش آئیں ان کو صبر و استقامت سے برداشت کرو' ہمت نہ ہارو' مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو بتلا دیا گیا کہ کامیابی کی کنجی کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ دولت' لشکر اور میگزین وغیرہ سے فتح و نصرت حاصل نہیں ہوتی۔ ثابت قدمی' صبر و استقلال' قوت و طمانیت قلب' یاد الٰہی' خدا اور رسول اور ان کے قائم مقام سرداروں کی اطاعت و فرمانبرداری اور باہمی

اتفاق و اتحاد سے حاصل ہوتی ہے۔

بیان القرآن: مولانا اشرف علی تھانویؒ

اوپر بدر کے واقعات تھے۔ آگے ایسے مواقع قتال کے آداب ظاہری و باطنی کی مسلمان کو تعلیم ہے۔

اے ایمان والو' جب تم کو (کفار کی کسی) جماعت سے (جہاد میں) مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو (ان آداب کا لحاظ رکھو)۔

(ایک یہ کہ) ثابت قدم رہو' (بھاگو مت)۔

اور (دوسرے یہ کہ) اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو' (کہ ذکر سے قلب میں قوت ہوتی ہے)۔ امید ہے کہ تم (مقابلہ میں) کامیاب ہو' (کیونکہ ثباتِ قدم اور ثباتِ قلب جب جمع ہوں تو کامیابی غالب ہے)۔

اور (تیسرے یہ کہ تمام امورِ متعلقہ حرب میں) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت (کا لحاظ) کیا کرو' (کہ کوئی کارروائی خلاف شرع نہ ہو)۔

اور (چوتھے یہ کہ اپنے امام سے اور باہم بھی) نزاع مت کرو' ورنہ (باہمی نا اتفاقی سے) کم ہمت ہو جاؤ گے۔ (کیونکہ قوتیں منتشر ہو جائیں گی' ایک کو دوسرے پر وثوق نہ ہو گا' اور اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہے) اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ (ہوا خیزی سے مراد بد رُعبی ہے' کیونکہ دوسروں کو اس نااتفاقی کی اطلاع ہونے سے یہ امر لازمی ہے)۔

اور (پانچویں یہ کہ اگر کوئی امرِ ناگواری کا پیش آئے تو اس پر) صبر کرو' بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ (اور معیّتِ الٰہی موجبِ نصرت ہے)۔

معارف القرآن: مفتی محمد شفیعؒ

حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو میدانِ جنگ اور مقابلۂ دشمن کے لیے ایک خاص ہدایت نامہ دیا ہے' جو ان کے لیے دنیا میں کامیابی اور فتحمندی کا اور آخرت کی نجات و فلاح کا نسخۂ اکسیر ہے' اور قرونِ اولیٰ کی تمام جنگوں میں مسلمانوں کی فوق العادت کامیابیوں اور فتوحات کا راز اسی میں مضمر ہے۔ اور وہ چند چیزیں ہیں۔

اول، ثبات۔ یعنی ثابت رہنا اور جمنا، جس میں ثباتِ قلب اور ثباتِ قدم دونوں داخل ہیں۔ کیونکہ جب تک کسی شخص کا دل مضبوط اور ثابت نہ ہو اس کا قدم اور اعضاء ثابت نہیں رہ سکتے، اور یہ چیز ایسی ہے جس کو ہر مومن و کافر جانتا ہے اور سمجھتا ہے، اور دنیا کی ہر قوم اپنی جنگوں میں اس کا اہتمام کرتی ہے۔ کیونکہ اہلِ تجربہ سے مخفی نہیں کہ میدانِ جنگ کا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ کامیاب ہتھیار ثباتِ قلب و قدم ہی ہے، دوسرے سارے ہتھیار اس کے بغیر بیکار ہیں۔

دوسرے ذکر اللہ ۔ یہ وہ مخصوص اور معنوی ہتھیار ہے جس سے مومن کے سوا عام دنیا غافل ہے۔ پوری دنیا جنگ کے لیے بہترین اسلحہ اور نئے سے نیا سامان مہیا کرنے اور فوج کے ثابت قدم رکھنے کی تو پوری تدبیریں کرتی ہے، مگر مسلمانوں کے اس روحانی اور معنوی ہتھیار سے بے خبر اور ناآشنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر میدان میں جہاں مسلمانوں کا مقابلہ ان ہدایات کے مطابق کسی قوم سے ہوا، مخالف کی پوری طاقت اور اسلحہ اور سامان کو بیکار کر دیا۔ ذکر اللہ کی اپنی ذاتی اور معنوی برکات تو اپنی جگہ ہیں ہی، یہ بھی حقیقت ہے کہ ثباتِ قدم کا اس سے بہتر کوئی نسخہ بھی نہیں۔ اللہ کی یاد اور اس پر اعتماد وہ بجلی کی طاقت ہے جو ایک انسانِ ضعیف کو پہاڑوں سے ٹکرا جانے پر آمادہ کر دیتی ہے، اور کیسی ہی مصیبت اور پریشانی ہو، اللہ کی یاد سب کو ہوا میں اڑا دیتی ہے اور انسان کے قلب کو مضبوط اور قدم کو ثابت رکھتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھیے کہ جنگ و قتال کا وقت عادۃً ایسا وقت ہوتا ہے کہ اس میں کوئی کسی کو یاد نہیں کرتا، اپنی فکر پڑی ہوتی ہے۔ اسی لیے جاہلیتِ عرب کے شعراء میدانِ جنگ میں بھی اپنے محبوب کو یاد کرنے پر فخر کیا کرتے ہیں کہ وہ بڑی قوتِ قلب اور محبت کی پختگی کی دلیل ہے۔ ایک جاہلی شاعر نے کہا ہے **ذکرتک والخطی یخطر بیننا**۔ یعنی میں نے تجھے اس وقت بھی یاد کیا جب کہ نیزے ہمارے درمیان لچک رہے تھے۔

قرآن کریم نے اس پُر خطر موقع میں مسلمانوں کو ذکر اللہ کی تلقین فرمائی، اور وہ بھی کثیرًا کی تاکید کے ساتھ۔

یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ پورے قرآن میں ذکر اللہ کے سوا کسی عبادت کو کثرت سے کرنے کا حکم نہیں۔ **صلوٰۃ کثیرًا؟ صیاما کثیرًا** کہیں مذکور نہیں۔ سبب یہ ہے کہ ذکر اللہ ایک ایسی آسان عبادت ہے کہ اس میں نہ کوئی بڑا وقت خرچ ہوتا نہ محنت، نہ کسی دوسرے کام میں اس سے رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اس پر مزید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ذکر اللہ

کے لیے کوئی شرط اور پابندی' طہارت' لباس اور قبلہ وغیرہ کی نہیں لگائی۔ ہر شخص ہر حال میں' باوضو' بے وضو' کھڑے' بیٹھے' لیٹے ذکر کر سکتا ہے۔ اور اس پر اگر امام جزری کی اس تحقیق کا اضافہ کر لیا جائے' جو انھوں نے حصن حصین میں لکھی ہے' کہ ذکر اللہ صرف زبان یا دل سے ذکر کرنے ہی کو نہیں بلکہ ہر جائز کام جو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں رہ کر کیا جائے وہ بھی ذکر اللہ ہے' تو اس تحقیق پر ذکر اللہ کا مفہوم اس قدر عام اور آسان ہو جاتا ہے کہ سوتے ہوئے بھی انسان کو ذاکر کہہ سکتے ہیں۔ جیسے بعض روایات میں ہے **نوم العالم عبادۃ** یعنی عالم کی نیند بھی عبادت میں داخل ہے' کیونکہ عالم جو اپنے علم کے مقتضی پر عمل کرتا ہو اس کے لیے یہ لازم ہے کہ اس کا سونا اور جاگنا سب اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی کے دائرہ میں ہو۔

میدان جنگ میں ذکر اللہ کی کثرت کا حکم اگرچہ بظاہر مجاہدین کے لیے ایک کام کا اضافہ نظر آتا ہے جو عادۃً" مشقت و محنت کو چاہتا ہے' لیکن ذکر اللہ کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ وہ محنت نہیں لیتا بلکہ ایک فرحت و قوت اور لذّت بخشتا ہے' اور انسان کے کام میں اور معین و مددگار بنتا ہے۔ یوں بھی محنت و مشقت کے کام کرنے والوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی کلمہ یا گیت گنگنایا کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو اس کا نعم البدل دے دیا' جو ہزاروں فوائد اور حکمتوں پر مبنی ہے۔ اسی لیے آخر آیت میں فرمایا **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ**۔ یعنی اگر تم نے ثبات اور ذکر اللہ کے دو گُر یاد کر لیے اور ان کو میدان جنگ میں استعمال کیا' تو فلاح و کامیابی تمہاری ہے۔

میدانِ جنگ کا ذکر ایک تو وہ ہے جو عام طور پر نعرۂ تکبیر کے انداز میں کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر نظر اور اعتماد و توکل اور دل سے اس کی یاد لفظ ذکر اللہ ان سب کو شامل ہے۔

ایک تیسری چیز کی تلقین اور کی گئی۔ وہ ہے **اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کو لازم پکڑو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی امداد و نصرت اس کی اطاعت ہی کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے' معصیت اور نافرمانی تو اللہ کی ناراضی اور ہر فضل سے محرومی کے اسباب ہوتے ہیں۔

اس طرح میدانِ جنگ کے لیے قرآنی ہدایت نامہ کی تین دفعات ہو گئیں ثبات' ذکر اللہ' اطاعت۔

اس کے بعد فرمایا **وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا**۔ اس میں مضر پہلوؤں پر تنبیہہ کر کے ان سے بچنے کی ہدایت ہے۔ اور وہ مضر پہلو جو جنگ کی کامیابی میں مانع ہوتا ہے باہمی نزاع و اختلاف ہے۔ اس لیے فرمایا کہ آپس میں نزاع اور کشاکش نہ کرو' ورنہ تم میں بزدلی پھیل جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

اس میں باہمی نزاع کے دو نتیجے بیان کیے گئے ہیں' ایک یہ کہ تم ذاتی طور پر کمزور اور بزدل ہو جاؤ گے۔ دوسرے یہ کہ تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی' دشمن کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے۔ باہم کشاکش اور نزاع سے دوسروں کی نظر میں حقیر ہو جانا تو بدیہی امر ہے' خود اپنی قوت پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے کہ اس میں کمزوری اور بزدلی آجائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باہمی اتحاد و اعتماد کی صورت میں ہر ایک انسان کے ساتھ پوری جماعت کی طاقت لگی ہوئی ہوتی ہے' اس لیے ایک آدمی اپنے اندر بقدر اپنی جماعت کے قوت محسوس کرتا ہے۔ اور جب باہمی اتحاد و اعتماد نہ رہا تو اس کی اکیلی قوت رہ گئی' وہ ظاہر ہے جنگ و قتال کے میدان میں کوئی چیز نہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا وَاصْبِرُوْا یعنی صبر کو لازم پکڑو۔ سیاقِ کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نزاع اور جھگڑوں سے بچنے کا کامیاب نسخہ بتلایا گیا ہے۔ اور بیان اس کا یہ ہے کہ کوئی جماعت کتنی ہی متحد الخیال اور متحد المقصد ہو' مگر افراد انسانی کی طبعی خصوصیات ضرور مختلف ہوا کرتی ہیں۔ نیز کسی مقصد کے لیے سعی و کوشش میں اہلِ عقل و تجربہ کی رایوں کا اختلاف بھی ناگزیر ہے۔ اس لیے دوسروں کے ساتھ چلنے اور ان کو ساتھ رکھنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آدمی خلافِ طبع امور پر صبر کرنے اور نظرانداز کرنے کا عادی ہو' اور اپنی رائے پر اتنا جماؤ اور اصرار نہ ہو کہ اس کو قبول نہ کیا جائے تو لڑ بیٹھے۔ اسی صفت کا دوسرا نام صبر ہے۔ آج کل یہ تو ہر شخص جانتا اور کہتا ہے کہ آپس کا نزاع بہت بُری چیز ہے' مگر اس سے بچنے کا جو گُر ہے' کہ آدمی خلافِ طبع امور پر صبر کرنے کا خوگر بنے' اپنی بات منوانے اور چلانے کی فکر میں نہ پڑے' یہ بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ اسی لیے اتحاد و اتفاق کے سارے وعظ و پند بے سود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ آدمی کو دوسرے سے اپنی بات منوانے پر تو قدرت نہیں ہوتی' مگر خود دوسرے کی بات مان لینا' اور اگر اس کی عقل و دیانت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو نہ مانے تو کم از کم نزاع سے بچنے کے لیے سکوت کر لینا تو بہرحال اختیار میں ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے نزاع سے بچنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ صبر کی تلقین بھی ہر فرد جماعت کو کر دی تاکہ نزاع سے بچنا عملی دنیا میں آسان ہو جائے۔

یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ قرآن کریم نے اس جگہ لَا تَنَازَعُوْا فرمایا ہے۔ یعنی باہم کشاکش کو روکا ہے' رائے کے اختلاف یا اس کے اظہار سے منع نہیں کیا۔ اختلافِ رائے جو دیانت اور اخلاص کے ساتھ ہو وہ کبھی نزاع کی صورت اختیار نہیں کیا کرتا۔ نزاع و جدال وہیں ہوتا ہے جہاں اختلافِ رائے کے ساتھ اپنی بات منوانے اور دوسرے کی بات نہ ماننے کا جذبہ کام

کر رہا ہو۔ اور یہی وہ جذبہ ہے جس کو قرآن کریم نے وَاصْبِرُوْا کے لفظ سے ختم کیا ہے۔ اور آخر میں صبر کرنے کا ایک عظیم الشان فائدہ بتلا کر صبر کی تلخی کو دور فرما دیا۔ ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ یعنی صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر حال میں ان کا رفیق ہوتا ہے' اور یہی اتنی بڑی دولت ہے کہ دونوں جہان کی ساری دولتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

مواہب الرحمٰن : مولانا امیر علیؒ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جہاد کے آداب اور طریقہ شجاعت تعلیم فرمائی۔

لقاء بمعنی ملنا' ولیکن غالب استعمال اس کا لڑائی کے بھڑنے پر ہو گیا ہے۔ فئتہ بمعنی جماعت اور اس کے لفظ سے اس کا مفرد نہیں آیا ہے اور جمع اس کی فئات ہے' اور مراد یہاں جماعت کافرہ ہے۔

اگر کہا جاوے کہ اس میں ہر حالت میں ثابت قدمی کا حکم ہے اور اس سے نکلتا ہے کہ قولہ تعالیٰ الامتحرفالقتال او متحیزا الی فئتہ منسوخ ہے یعنی کسی حال میں پیٹھ پھیرنا جائز نہیں ہے' تو جواب دیا گیا کہ منسوخ نہیں ہے بلکہ ثبات سے' کوشش کے ساتھ لڑنا مراد ہے' بلکہ گویا یہ مقصود بدون تحرف و تحیز کے حاصل نہیں ہو سکتا۔

وقال البیضاوی' اس میں تنبیہ ہے کہ بندے کو کسی حال میں یادِ الٰہی سے غافل نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ سختیوں و شدتوں کے وقت' تمام دل سے' فارغ البال ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو' اور اسی کے لطف پر بھروسا کرے کہ وہ کسی حال میں اس سے جدا نہیں ہے۔ اور حرف لعل میں اشارہ کیا کہ باوجود ایسے افعال کے اللہ تعالیٰ پر کوئی امر واجب نہیں ہے' لہٰذا عاجزی کے ساتھ نصرت و فتح کے امیدوار رہیں' اور اپنے افعال سے نظر اٹھا کر اسی کے افضال پر نظر رکھیں۔

اور جھگڑا مت کرو جیسے تم نے بدر میں پہلے مختلف رائیں نکالیں یعنی آپس میں اختلاف مت کرو کہ تم نامردے ہو جاؤ۔ اور تمہاری قوت و دولت جاتی رہے۔

ریح جو ہوا کے معنی میں ہے یہاں دولت و قوت کے واسطے استعارہ ہے کیونکہ احکامِ دولت ایسے جاری و نافذ ہوتے ہیں جیسے ہوا چلتی و نفوذ کرتی ہے۔ قتادہ وابن زیدؒ کے قول میں یہ استعارہ نہیں بلکہ حقیقت مراد ہے' کیونکہ نصرت ہمیشہ ایک ہوا سے ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ نصرت بالصبا واہلکت عاد بالدبور یعنی مجھے صبا سے فتح دی گئی' اور دبور سے قوم عاد ہلاک کی

گئی۔ نعمان ابن مقرنؓ سے روایت ہے کہ میں رسولؐ کے ساتھ جہاد میں حاضر ہوا ہوں۔ پس جب آپؐ چڑھتے دن میں قتال نہیں کرتے' تو ٹھہر جاتے تھے یہاں تک کہ آفتاب ڈھل جاوے اور ہوا چلنے لگے' اور نصرت نازل ہو۔ (راوہ ابوداؤد)

حاصل آنکہ جھگڑے و اختلاف سے جو بزدلی کی نشانی ہے بچو۔ اور صبر کرو دشمن سے بھڑ جانے کے وقت' اور ہزیمت نہ اٹھاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت صابروں کے ساتھ ہے' اور یہی اللہ کے ساتھ ہونے کے معنی ہیں۔

بالجملہ اس آیت میں مومنوں کو صبرو ثابت قدمی کا اور پورے اعتقاد و یقین سے اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے کا حکم دیا' اور اس کو ان نیک لوگوں نے اچھی طرح مانا۔ صبر کا پہلا مرتبہ تو یہ ہوتا ہے کہ آدمی زبردستی اپنے نفس کو ثابت قدم رکھتا ہے' اور یہی تکلف سے شرع پر قائم رہنے کا مقام ہے۔ پھر جب صبرِ تحقیقی حاصل ہوا تو وہ مقامِ تشریف ہے۔ پس اول تو مجاہدہ ہے' اور دوم مشاہدہ ہے۔ یعنی سوزشِ شوق میں ثابت قدم رہنا چاہیے کہ حضرت حق تعالیٰ کو بھی نیک بندوں کی طرف اشتیاق ہے۔ اور نیز اشارہ ہے کہ بلائے محبت میں صبر کرو اور اس بلا کو اچھی چیز سمجھو' تاکہ میرا مشاہدہ حاصل کرو کیونکہ صابرین پر مقامِ صبر میں تجلی ہے۔ اور نیز میرے ساتھ صبر کرو' کیونکہ صبر کو میرا ساتھ حاصل ہے۔ پس تمھاری مراد مل جاوے گی اور دشمن اور نفس و شیطان پر فتح مندی پاؤ گے۔ واسطیؒ سے پوچھا گیا کہ صبر کی کیا ماہیت ہے۔ فرمایا کہ محنت سے پہلے محبت کی چادر اوڑھ لے۔ پس جب محبت کے ساتھ محنت ملی تو اس کو بلا مشقت اٹھا لے گا۔ پس صابروں کے ساتھ اللہ عزوجل کی معیت کے یہی معنی ہیں۔

تدبرِ قرآن : مولانا امین احسن اصلاحی

ہدایت دی جا رہی ہے کہ جب تمھارا کفار کے کسی گروہ سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو' اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو تاکہ فلاح پاؤ۔ ثابت قدمی اس لیے ضروری ہے کہ اللہ کی نصرت ہمیشہ اسباب کے پردے سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہ دنیا بندوں کے لیے امتحان گاہ ہے۔ جب بندے اپنی صلاحیت کا ثبوت دیتے ہیں تو اس کے پردے میں اللہ کی نصرت ظاہر ہوتی ہے۔ بندوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی طرح خدا کا امتحان کریں کہ خود تو گھروں میں بیٹھ رہیں' اور خدا سے یہ امید کریں کہ وہ فتح کر کے کنجیاں ان کے حوالے کر دے تب وہ شہر میں داخل ہوں گے۔

اللہ کا ذکر ثابت قدمی کا ذریعہ ہے۔ اوپر ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اصلی قوت دل کی قوت ہے'

اور دل کو قوت' ایمان سے حاصل ہوتی ہے۔ یہاں یہ بتایا جارہا ہے کہ ایمان سرسبز و شاداب' ذکرِ الٰہی کی جھڑی سے رہتا ہے۔ یہ ذکرِ الٰہی یوں تو سانس کی طرح ہر وقت ایمانی زندگی کے لیے ضروری ہے اس لیے کہ انسان ہر وقت شیطان سے نبرد آزما ہے' لیکن حالات زیادہ صبر آزما ہوں تو یہ ذکر بھی زیادہ مقدار میں مطلوب ہوگا۔ اسی وجہ سے یہاں کثیر کی قید لگی ہوئی ہے۔

لفظ "فلاح" ایک جامع لفظ ہے۔ یہ دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی پر مشتمل ہے۔ مجرد غلبہ تو ہو سکتا ہے کہ بغیر ذکرِ الٰہی کے بھی حاصل ہو جائے' لیکن وہ فلاح کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ فلاح اسی غلبہ سے حاصل ہوگی جس کا دروازہ ذکرِ الٰہی کی مدد سے کھلے' اور جس میں غلبہ حاصل کرنے والوں کو خدا کی معیت حاصل ہو۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ کسی فوج کی ثابت قدمی میں اصلی عامل کی حیثیت ہمیشہ اس کے حوصلہ ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ اس چیز کی اہمیت جس طرح پہلے تسلیم کی گئی ہے اسی طرح آج بھی تسلیم کی جاتی ہے۔ اسلام نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے حوصلہ برقرار رکھنے کا ذریعہ ذکر الٰہی کو بتایا ہے' اور حق یہ ہے کہ مومنوں کے اندر عزم اور حوصلہ کا سرچشمہ یہی چیز ہے۔

... یہاں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے عام مفہوم کے سوا اس کا ایک خاص مفہوم بھی پیش نظر ہے۔ یعنی دشمن کے مقابل میں کامل نظم اور کامل ڈسپلن کا ثبوت دو۔ جو حکم اللہ نے دیے ہیں ان کی بھی پوری اطاعت کرو' اور جو حکم رسولؐ دے اسکی بھی بے چون و چرا تعمیل کرو۔ جس طرح دل ذکرِ الٰہی سے محروم ہو تو اس میں انتشار برپا ہو جاتا ہے' اسی طرح جماعت اگر اطاعت میں ڈھیلی ہو تو جماعت کا نظم درہم برہم ہو جاتا ہے' اور پھر اس کی ہوا اکھڑ جاتی ہے۔

... اسی بات کو منفی پہلو سے واضح فرمایا کہ اللہ و رسولؐ کے دیے ہوئے احکام سے اختلاف نہ کرنا' ورنہ جماعت میں انتشار برپا ہوگا' جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے حوصلے پست ہو جائیں گے' اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ یہی وہ ہدایت ہے جس کی غزوہ احد کے موقع پر ایک جماعت نے خلاف ورزی کی اور اس کا تلخ نتیجہ پوری جماعت کو بھگتنا پڑا۔ قرآن نے آلِ عمران میں اسی کا حوالہ دیا ہے۔ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ عَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ (یہاں تک کہ جب تم حوصلہ ہار بیٹھے اور تم نے نبی کے حکم میں اختلاف کیا اور تم نے نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھادی تھی جس کو تم عزیز رکھتے تھے)

... وہی بات جو اوپر فَاثْبُتُوْا کے لفظ سے فرمائی ہے۔ .. وَاصْبِرُوْا کے لفظ سے بھی فرمائی ہے۔ البتہ اوپر والی بات افراد کو پیشِ نظر رکھ کر فرمائی گئی ہے' اور یہ جماعت کو پیشِ نظر رکھ کر ارشاد

ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی مدد و نصرت اور اس کی معیت کے طالب ہو تو اپنے جماعتی کردار سے اس کا استحقاق پیدا کرو۔ خدا منتشر بھیڑ کا ساتھ نہیں دیتا' بلکہ ان لوگوں کا ساتھ دیتا ہے جو اس کی راہ میں جہاد کے لیے بنیان مرصوص بن کر کھڑے ہوں۔

تفہیم القرآن: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

صبر سے کام لو' یعنی اپنے جذبات و خواہشات کو قابو میں رکھو۔ جلد بازی' گھبراہٹ' ہراس' طمع اور نامناسب جوش سے بچو۔ ٹھنڈے دل اور جچی تلی قوت فیصلہ کے ساتھ کام کرو۔ خطرات اور مشکلات سامنے ہوں تو تمہارے قدموں میں لغزش نہ آئے۔ اشتعال انگیز مواقع پیش آئیں تو غیظ و غضب کا ہیجان تم سے کوئی بے محل حرکت سرزد نہ کرانے پائے۔ مصائب کا حملہ ہو اور حالات بگڑتے نظر آ رہے ہوں تو اضطراب میں تمہارے حواس پراگندہ نہ ہو جائیں۔ حصولِ مقصد کے شوق سے بے قرار ہو کر یا کسی نیم پختہ تدبیر کو سرسری نظر میں کارگر دیکھ کر تمہارے ارادے شتاب کاری سے مغلوب نہ ہوں۔ اور اگر کبھی دنیوی فوائد و منافع اور لذاتِ نفس کی ترغیبات تمہیں اپنی طرف لبھا رہی ہوں تو ان کے مقابلہ میں بھی تمہارا نفس اس درجہ کمزور نہ ہو کہ بے اختیار ان کی طرف کھنچ جاؤ۔ یہ تمام مفہومات صرف ایک لفظ "صبر" میں پوشیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ ان تمام حیثیات سے صابر ہوں' میری تائید انہی کو حاصل ہے۔

بقیہ: طبقہ مترفین

راجدھانیوں اور جاگیرداریوں کو اسلام کے منصفانہ معاشی نظام کے نفاذ کے بغیر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام کے معاشی اصولوں کا مختصر سا خلاصہ اس مضمون میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ان اصولوں کی بنیاد پر ان قارونوں کے استحصال کے خلاف ایک زبردست عوامی مگر اسلامی تحریک چلانے کی ضرورت ہے' جس کی قیادت کسی مترف کے ہاتھ میں نہ ہو بلکہ اللہ کے کسی نیک بندے کے ہاتھ میں ہو۔

(جاری ہے)

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر

صلاح الدین محمود

ترکوں نے حجاز پر اپنے دورِ حکومت کے دوران رسولِ پاکؐ کی ولادت سے لے کر آپؐ کے وصال تک کے ہر لمحہ سے وابستہ ہر جسمانی، روحانی، تاریخی اور جمالیاتی کیفیت کو آئندہ نسلوں کے واسطے محفوظ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ یہ کام ایک غیر شعوری سطح پر تو عہدِ نبویؐ ہی سے جاری تھا مگر اب کوئی ایک ہزار برس گزر چکے تھے، اور اب یہ ضروری تھا کہ ایک شعوری اور حتمی سطح پر یہ عمل ہو ـــ اس کام کے واسطے جنون کی حد تک رسولِ پاکؐ سے محبت، اور انسانی خواص کی حدود تک نفاست اور ذہنی سچائی کی ضرورت تھی۔ یہ رحمت، ترک لحن میں موجود تھی، اور اسی واسطے وہ اس کام میں تقریباً مکمل کامیاب ہوئے تھے۔ ترکوں کا انسانیت پر یہ سب سے بڑا احسان ہے۔

ان کو علم تھا کہ جس خطۂ زمین پر آپؐ کا نزول ہوا اور آپؐ کا پہلا قدم پڑا، کہ جس ہوا کا پہلا سانس آپؐ کے اندر جذب ہوا اور جس نے آپؐ کی آواز کا گداز پہلی بار برداشت کیا، کہ جس ہوا کی سہار سے پہلے پرندے کی پکار آپؐ تک آئی، اور پھر جس خلا کے خم سے چاند اور سورج نے پہلی بار آپؐ کو اور آپؐ نے پہلی بار ان کو دیکھا، کہ جہاں جہاں آپؐ کی بینائی سے نئے ستاروں کا وقوع ہوا اور جس جس طور پر آپؐ کی وسیع ہوتی آنکھوں نے ان کی دوہری حرکت کو واحد کرکے اپنے لہو میں سمویا، کہ یہ قدآور لمحے، گوشے، چپے اور ہوا، اور بینائی، صدا اور شنوائی کے نقش اوّل محض رسول اللہؐ ہی کے نہیں بلکہ آتی دنیا تک ہر نئے کلمہ گو کے لہو کا اوّل، ازلی، آبائی اور اصلی نشان ہیں۔ اس بات کا ان کو مکمل علم تھا۔ سو ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے پنپ پا کر اس بڑے ہوتے بچے میں بنو سعد کی خصلت اور محبت سے آغاز کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر سب سے پہلے انہوں نے مدینہ منورہ میں اس میدان کا تعین کیا کہ جہاں،

مرنے سے پہلے' ایک خوبرو اور کم عمر نوجوان نے' اپنے گھر سے دور' بخار کی گرمی اور بے چینی کو مٹانے کے واسطے' ایک شام' چند لمحات کے واسطے گشت کیا تھا' اور پھر اپنی کمسن' خوبصورت اور ہنس مکھ بیوی کو بیوہ اور ابھی ماں کے بدن ہی میں قائم بچے کو یتیم اور بے سہارا چھوڑ کر' اپنی تمنائیں اپنے دل ہی میں لیے' مر گیا تھا۔

پھر انہوں نے ایک پہاڑ کی کوکھ میں اس چھوٹے سے گھر کا تعین بھی کیا تھا کہ جس کی پہلی منزل پر' شمال کی جانب قائم' ایک چھوٹے سے بالکل چوکور کمرے میں' کہ جہاں چار آئینوں کی اوٹ میں چار سمتیں ملتی تھیں' ایک بچہ کہ جس کو کائنات کی امان تھی' ظہور میں آیا تھا۔ اس بچے کو ایک بزرگ انسان نے اپنے محنت اور سورج سے کملائے ہاتھوں سے' اپنی ایک چادر میں لپیٹا تھا اور وہ پگڈنڈی طے کی تھی کہ جو اللہ کے گھر تک جاتی تھی۔ وہاں پہنچ کر اس ضعیف انسان نے چادر میں لپٹے ہوئے اس نوزائدہ بچے کو ہاتھوں میں رکھ کر کائنات کی جانب بلند کیا تھا' اور دعا کی تھی کہ اے کائنات کے خالق' اس بچے پر رحم کرنا' اس واسطے کہ یہ بے آسرا اور یتیم ہے۔ ترکوں نے اس شمالی کمرے' اس آبائی پگ ڈنڈی اور اس دعا کے مقام کا بھی نہایت ہی کاوش سے تعین کر کے نشان چھوڑا تھا۔

پھر انہوں نے پیلی رگوں کے سیاہ پہاڑوں اور اکثر اوقات خاموش ریگستان کے سنگم پر قائم اس جگہ کو بھی دریافت کر کے محفوظ کیا تھا کہ جہاں' اس دعا کے کوئی چھ برس بعد' اپنے جواں مرگ خاوند کی قبر سے واپسی پر' اپنے چھ برس کے حیران بچے کی انگلی پکڑے پکڑے' جب اس کم سن خاتون نے ایک رات کے واسطے پڑاؤ کیا تھا' تو وفات پائی تھی۔ اگلے روز حیران آنکھوں والے اس چھ برس کے بچے نے اپنی ماں کا چہرہ' کہ جس سے اب آہستہ آہستہ وہ مانوس ہو رہا تھا' آخری بار دیکھا تھا' اور پھر اپنی ماں کو اپنے کچے کچے ہاتھوں سے انجان خاک میں اتار کر قافلے کے ساتھ اپنے مقدر کی جانب چل پڑا تھا۔ ترکوں نے اپنی مثالی درستگی' سادگی' صفائی اور خوش اسلوبی سے ایک کتبہ یہاں بھی چھوڑ دیا تھا کہ آنے والوں کو آگاہی ہو کہ معصوم دلوں کی اکیل ہی ہے کہ جو ان کو وحدت کا ہم راز بناتی ہے۔

ان کا اگلا قدم اس راستے کا تعین کرنا تھا کہ جس پر اس واقعے کے تین برس بعد' یہ بچہ ایک ضعیف میت کے ساتھ ساتھ چارپائی کا پایا پکڑ کر' سب کے سامنے' بلک بلک کر روتا ہوا چلا تھا۔ اس کو شاید احساس تھا کہ آج کے بعد اس کی اکیل کائناتی وحدت کی اکیل ہے اور آج کے بعد شاید وہ کبھی کھل کر رو بھی نہ سکے گا ـــــ غرض یہ کہ ترکوں نے رسولِ پاکؐ کی ولادت سے

لے کر آپؐ کے وصال تک کے واقعات کو آنے والی نسلوں کے تاریخی' جمالیاتی اور ایمانی شعور کے واسطے' دلکشی اور سادگی کے ساتھ' محفوظ کرنے کا جو بیڑا اٹھایا تھا اس میں وہ ایک بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ آپؐ کے بچپن سے جوانی تک کی سمتوں کا تعین کرنے کے بعد انہوں نے غارِ حرا کی چوٹی سے آسمانوں کو دیکھا اور پھر اس اونچے پہاڑ کی نشیبی وادی میں قائم شہر کے ایک گھر کے اس چھوٹے سے کمرے کا تعین کیا کہ جس جگہ حیرت پرے سے اپنے نام کی پکار سننے کے بعد واپس آکر رسول پاکؐ نے آرام فرمایا تھا' اور جہاں حضرت خدیجہؓ نے آپؐ پر اپنے مکمل اعتماد سے آپؐ کو اس حد تک حوصلہ دیا تھا کہ جب فتح مکہ کے بعد آپؐ سے پوچھا گیا کہ آپؐ کہاں قیام کریں گے تو آپؐ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ حضرت خدیجہؓ کی قبر کے ساتھ آپؐ کا خیمہ نصب کیا جائے۔ بعض لوگوں کے استفسار پر کہ آخر ایک قبر کے کنارے ایک قبرستان میں کیوں؟ آپؐ نے فرمایا تھا کہ: "جب میں غریب تھا تو اس نے مجھ کو مالا مال کیا۔ جب انہوں نے مجھ کو جھوٹا ٹھہرایا تو صرف اسی نے مجھ پر اعتماد کیا اور جب سارا جہان میرے خلاف تھا تو صرف اس اکیلی ہی کی وفا میرے ساتھ تھی۔"

سو ترکوں کے ماہرین نے پہلے اس گھر کا' پھر اس گھر میں اس کمرے کا تعین کیا جہاں مکمل اعتماد کا یہ بنیادی لمحہ گزرا تھا۔ یہاں یہ بیان کرنا شاید دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ اس کمرے اور اس کمرے کے بارے میں کہ جہاں آپؐ کا ظہور ہوا تھا' عثمانی حکومت کی جانب سے جو جاری احکامات تھے وہ کیا تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے گھر والے کمرے کے بارے میں جاری حکم تھا کہ ہر بار رمضان کا چاند دیکھتے ہی اس میں سفیدی کی جائے اور پھر فجر کی اذان تک خواتین باآواز بلند قرآن کی تلاوت کریں۔ جبکہ حضرت عبدالمطلب کے گھر میں واقع اس شمالی کمرے کے بارے میں احکامات یہ تھے کہ پہلی ربیع الاوّل کو کمرے کے اندر سفید رنگ کیا جائے' رنگ ساز حافظ قرآن ہوں' اور پھر ربیع الاوّل کی اس رات کو جب آپؐ کا ظہور ہوا' معصوم بچے اس کمرے کے اندر آئیں اور قرآن کی تلاوت کریں۔ اگلی صبح پرندے آزاد کرنے کا حکم اور رواج تھا۔

سو جہاں انہوں نے حضرت خدیجہؓ کے مکان اور مقبرے کا تعین کیا' وہاں انہوں نے بنو ارقم کی بیٹھک کو محفوظ' ورقہ بن نوفل کی دہلیز کو پختہ اور حضرت ام ہانیؓ کے آنگن کی نشاندہی بھی کروائی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے مکے اور مدینے میں قائم ان ازلی قبرستانوں کو کہ جن میں خانوادۂ رسولؐ کے بیشتر افراد' اصحابِ کرام اور ان کے خاندان اور چیدہ ترین بزرگانِ دین قیامت کے منتظر سوتے تھے' صاف ستھرا اور پاک کروایا' اور پھر نہایت ہی سلیقے سے قبروں کی

نشاندہی کر کے مکمل نقشے مرتب کروائے۔

ان تمام کارروائیوں میں ترکوں کا طریقہ کار بہت مؤثر اور یکتا ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر جب ترک حجاز پہنچے تو مسجد بلالؓ جو کہ خانہ کعبہ کے سامنے ایک پہاڑ پر واقع ہے' صدیوں کی غفلت کی وجہ سے تقریباً مٹی اور پتھر کا ڈھیر ہو چکی تھی۔ اس چھوٹی سی مسجد کو اس کے اصلی خطوط پر دوبارہ تعمیر کرنے کے واسطے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ یہ تھا کہ پہلے تمام مٹی کو الگ کر لیا گیا' اور پھر تمام چونے کو' اور اس کے بعد تمام اصلی پتھروں کو۔ اس کے بعد مٹی اور چونے کو پیس کر اور نہایت ہی باریک چھلنیوں سے چھان کر الگ الگ تیار کر لیا گیا۔ بچے ہوئے چونے کا کیمیائی تجزیہ کر کے اس کے اجزاء معلوم کیے گئے۔ پھر ان اجزا کے اصلی اور پرانے ماخذ دریافت کرنے کے بعد ایک ہی ماخذ کے نئے اور پرانے چونے کو ملا کر اور مزید طاقت ور بنا کر چنائی کے واسطے استعمال کیا گیا۔ پتھر بھی اپنی تراش' کیفیت اور ساخت کو مدنظر رکھتے ہوئے تقریباً اسی طرح اور اسی جگہ نصب ہوئے کہ جہاں پہلی مرتبہ عہدِ نبویؐ کے فوراً بعد نصب ہوئے تھے۔

اس طرح وہی مٹی' وہی گارا' اور وہی چونا اور وہی پتھر بالکل اسی طرح استعمال ہوا جیسا کہ صدیوں پہلے مسجد کی تعمیر اوّل میں استعمال ہوا تھا۔ مسجد نئی بھی ہو گئی اور اپنے اصلی اور اوّل خطوط پر قائم بھی رہی۔ یہ ترکوں کے طریقہ کار کی محض ایک' اور قدرے معمولی مثال ہے۔

جب ۵۳ برس کے میں بیت گئے اور زمین کی گردش اس شہر کو ایک بار پھر وہیں لے آئی کہ جہاں وہ ۵۳ گردشوں پہلے تھا تو نئے ستاروں کا وقوع ہوا تھا' اور رسولِ پاکؐ نے مدینے کا رخ کیا تھا۔ سو ترک بھی اس آبائی راستے پر چل نکلے تھے۔ غارِ ثور کو انہوں نے کچھ نہ کہا' اور یہی مناسب سمجھا کہ نہ تو اس کے جالے صاف کریں اور نہ ہی کبوتروں کے صدیوں پرانے گھونسلوں کے جھاڑ جھنکار کو کاٹیں یا ہٹائیں۔ غار ثور کو انہوں نے مکڑیوں اور کبوتروں کے سپرد ہی رہنے دیا کہ اب جائز طور پر وہی اس گوشے کے مالک اور حقدار تھے۔ غارِ حرا تک کی نہایت ہی مشکل چڑھائی کو بھی انہوں نے آسان بنانے کی کوئی کوشش نہ کی' تاکہ چڑھنے والوں کو چوٹی تک پہنچنے کے جتن کا احساس برابر ہوتا رہے۔ ہاں اتنا ضرور کیا کہ دو تہائی چڑھائی پر ایک نہایت سادہ سی ناند بنا دی تاکہ بارش کا پانی کبھی کبھی جمع ہو سکے' اور بچے' بوڑھے اور عورتیں اگر چاہیں تو چڑھائی کے دوران پیاس بجھا سکیں۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے لے کر مدینے کے اطراف میں قائم بنو نجار کی کچی بستی تک' ہجرت کے راستے کا حتمی تعین کر کے نقشہ مرتب کیا۔ ترک جب حجاز پہنچے تو بنو

نجار تتر بتر ہو چکے تھے۔ پھر بھی ترکوں نے بچے کھچے لوگوں کو تلاش کیا اور' سینہ بہ سینہ محفوظ' ان کے لوک گیتوں کو پہلی بار قلم بند کرکے باقاعدہ محفوظ کیا۔ مسجدِ قبا کو نہایت ہی ہنر سے بحال کرنے کے بعد وہ کچھ دیر اس کنوئیں کی منڈیر پر بھی سستانے کو بیٹھے کہ جہاں ہجرت کے بعد پہلی نماز ادا کرکے رسولِ پاکؐ نے قیام فرمایا تھا' اور جس کے' آپؐ کو دیکھ کر' آپ سے آپ اونچے ہوتے پانی میں' آپؐ نے اپنے چہرے کا شفاف عکس دیکھ کر' پہلے ایک لمحہ توقف' اور پھر مسرت کا اظہار فرمایا تھا۔

اس کنوئیں سے اب راستہ مدینے کو جاتا تھا۔ مدینے کے اس میدان تک جاتا تھا کہ جہاں آپؐ کی آمد سے کوئی ۵۳ برس پہلے' ایک شام' مرنے سے پہلے' ایک خوبرو اور کم عمر نوجوان نے' اپنے گھر سے دور اپنے بخار کی گرمی اور بے چینی کو مٹانے کے واسطے' چند لمحات کے واسطے گشت کیا تھا' اور پھر اپنی کم سن' خوبصورت اور ہنس مکھ بیوی اور ابھی ماں کے بدن ہی میں قائم بچے کو یتیم اور بے سہارا چھوڑ کے' اپنی تمنائیں اپنے دل ہی میں لیے' مر گیا تھا۔

ایک بار پھر وہی میدان تھا۔ مسجد نبویؐ کو اب یہاں تعمیر ہونا تھا.......

مسجدِ نبویؐ کی تعمیر بھی ایمان' ہنر مندی' صبر' پاکیزگی اور نفاست کی ایک عجیب اور انوکھی داستان ہے۔

پہلے پہل برسوں تک تو ترکوں کو ہمت نہ ہوئی کہ مسجد نبویؐ کی تعمیر کریں۔ ان کے نزدیک یہ ایک کائناتی اور انسانی حدود سے ماورا طاقتوں کے بس کا عمل تھا' اور وہ انسان تھے۔ مگر جب انسان سچی محبت کرتا ہے تو وہ اپنے آپ سے باہر قدم دھرنے کی ہمت بھی پا جاتا ہے۔ سو اپنی محبت کی سچائی کے سہارے انہوں نے یہ کام کرنے کا ارادہ کیا۔ ترکوں نے اپنی وسیع سلطنت اور پھر پورے عالمِ اسلام میں اپنے اس ارادے کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ اس حتمی کام کے واسطے ان کو عمارت سازی اور اس سے متعلقہ علم اور فنون کے ماہرین درکار ہیں۔ یہ سننا تھا تو ہندوستان' افغانستان' چین' وسطی ایشیا' ایران' عراق' شام' مصر' یونان' شمالی اور وسطی افریقہ کے اسلامی خطوں' اور نہ جانے عالم اسلام کے کس کس کونے اور کس کس چپے سے نقشہ نویس' معمار' سنگتراش' بنیادیں زمین کی زندہ رگوں تک اتار دینے کے ماہر' چھتوں اور سائبانوں کو ہوا میں معلق کرنے کے ہنر مند' خطاط' پچہ کار' شیشہ گر اور سینہ ساز' کیمیا گر' رنگ ساز اور رنگ شناس' ماہرین فلکیات' ہواؤں کے رخ پر عمارتوں کی دھار بٹھانے کے ہنر مند اور نہ جانے کن کن عیاں اور کیسے کیسے پوشیدہ علوم کے ماہرین' اساتذہ' پیشہ وروں اور ہنر مندوں نے دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں اپنے اہل و عیال کو سمیٹا اور اس

ازلی بلاوے پر قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ کہیں بے حد دور' ایک چٹیل ریگستان میں ' جنت کی کیاری کے کنارے ' ان کے رسولؐ کی قیام گاہ تعمیر ہونی تھی' اور وہ اور ان کے ہنر اب ہر طرح اس کام کے واسطے وقف تھے۔

ترکوں کو اس والہانہ کیفیت کی ایک حد تک امید تھی' مگر پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اس اجتماعی بے اختیاری اور مکمل اطاعت پر ان کو تعجب ضرور ہوا تھا۔ بہرکیف ان کی تیاریاں بھی مکمل تھیں۔ عثمانی حکومت کی تقریباً" ہر شاخ' اعلان سے پہلے ہی حرکت میں آچکی تھی' اور حکومت کے اہلِ کار اپنی حدود میں اور سفیر دوسرے اسلامی ممالک میں اس انداز اور ارادے کے تمام لوگوں کی اعانت کے واسطے تیار تھے۔ ان اہل کاروں اور سفیروں کو یہ احکامات تھے کہ وہ ان تمام ماہرین اور ان کے ہمراہ ان کے اہل و عیال کو' اگر وہ چاہیں تو' قسطنطنیہ تک کے راستے میں ہر طرح کی سہولت فراہم کریں۔ ادھر سلطانِ وقت کے حکم سے قسطنطنیہ سے چند فرسنگ باہر' میدانوں میں' ایک خود کفیل اور کشادہ بستی تیار ہو چکی تھی۔ سو پھر جب ان یکتائے روزگار لوگوں کے قافلے پہنچنے شروع ہوئے تو ان کو ان کے روزگار کے اعتبار سے اس نئی بستی کے الگ الگ محلوں میں بسایا جانے لگا اور حکومت مکمل طور پر ان کی کفیل ہوئی۔

اس عمل میں کوئی پندرہ برس گزر گئے۔ مگر اب یہ یقین سے کہا جا سکتا تھا کہ اس بستی میں اپنے وقتوں کے عظیم ترین فنکار جمع ہو چکے تھے۔ اب خود سلطانِ وقت اس نئی بستی میں گیا اور اس نے خاندانی سربراہوں کا اجلاس طلب کرکے منصوبے کا اگلا حصہ ان کے سامنے رکھا۔ منصوبے کا اگلا حصہ اس طرح تھا کہ ہر ہنرمند اپنے سب سے ہونہار بچے یا بچوں (اولاد نہ ہونے کی صورت میں ہونہار ترین شاگرد) کا انتخاب کرے' اور اس کے جوان ہو کر پختہ عمر تک پہنچنے تک اس کے بدن اور لحن میں اپنا مکمل فن منتقل کردے۔ ادھر حکومت کا ذمہ تھا کہ وہ اس دوران اس انداز کے اتالیق مقرر کرے کہ وہ ہر بچے کو پہلے قرآن پڑھائیں اور پھر قرآن حفظ کرائیں۔ ساتھ ساتھ بچہ شہ سواری بھی سیکھے۔ اس تمام تعلیم' تربیت اور تیاری کے واسطے پچیس برس کا عرصہ مقرر کیا گیا۔

اس منصوبے پر ہر ایک نے لبیک کہا اور صبر' محنت' محبت اور حیرت کا یہ بالکل انوکھا عمل شروع ہوا۔

سو' پچیس برس بیت گئے اور ان انوکھے ہنرمندوں کی ایک نئی اور خالص نسل نشوونما پا کر تیار ہو گئی۔ یہ تیس سے چالیس برس عمر کے مخصوص اور نیک اطوار نوجوانوں کی ایک ایسی

جماعت تھی کہ جو محض اپنے اپنے آبائی اور خاندانی فنون ہی میں یکتا اور عنقا نہیں تھے' بلکہ اس جماعت کا ہر فرد حافظ قرآن اور فعال مسلمان ہونے کے علاوہ ایک صحت مند نوجوان اور اچھا شہسوار بھی تھا۔ بچپن کے لمحہ اول سے ان کو علم تھا کہ یہ وہ چیدہ لوگ ہیں کہ جن کو ایک روز' کہیں بے حد دور' ایک چٹیل ریگستان میں' جنت کی کیاری کے کنارے' اپنے رسولؐ کی قیام گاہ کے گرد ایک ایسی کائناتی عمارت تعمیر کرنی ہے کہ جو آسمان کی جانب اس زمین کا واحد نشان ہو۔

ترکوں کے اعلان اول سے لے کر اب تک کوئی تیس برس سے زیادہ بیت چکے تھے' اور مسجد نبویؐ کے معمار' کہ جن کی تعداد کوئی پانچ سو کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے' تیار تھے۔ ایک طرف تو ہنر مندوں کی یہ جماعت تیار ہو رہی تھی اور دوسری طرف ترک حکومت کے اہل کار عمارت کے واسطے سازو سامان اکٹھا کرنے میں ایک خاص قرینے کے ساتھ مصروف تھے۔ حکومت کی شعبہ کان کنی کے ماہرین نے خالص اور عمدہ رگ و ریشے کے پتھر کی بالکل نئی کانیں دریافت کیں کہ جن سے صرف ایک بار پتھر حاصل کر کے ان کو ہمیشہ کے واسطے بند کر دیا گیا۔ ان کانوں کے جائے وقوع کو اس حد تک صیغہ راز میں رکھا گیا کہ آج تک کسی کو علم نہیں ہے کہ مسجد نبویؐ میں استعمال ہونے والے پتھر کہاں سے آئے تھے۔ بالکل نئے اور ان چھوئے جنگل دریافت کیے گئے' اور ان کو کاٹ کر ان کی لکڑی کو بیس برس تک حجاز کی آب و ہوا میں آسمان تلے موسمایا گیا۔ رنگ سازوں نے عالم اسلام میں اگنے والے درختوں اور خاکی و آبی پودوں سے طرح طرح کے رنگ حاصل کیے' اور شیشہ گروں نے شیشہ بنانے کے واسطے حجاز ہی کی ریت استعمال کی۔ پچہ کاری کے قلم ایران سے بن کر آئے۔ جبکہ خطاطی کے واسطے نیزے دریائے جمنا اور دریائے نیل کے پانیوں کے کنارے اگائے گئے۔ غرض یہ کہ جب تک ان ہنر مندوں کی جماعت تیار ہوئی ان ہی کے بزرگوں کی خاص طور پر تیار کردہ ٹولیوں نے عمارتی سامان بھی فراہم کر لیا۔ یہ سارا عمارتی سامان بمع ہنر مندوں کی جماعت کے' نہایت ہی احتیاط سے پہلے خشکی' پھر سمندر اور پھر خشکی کے راستے حجاز کی سرزمین تک پہنچا دیا گیا' کہ جہاں مدینے سے چار فرسنگ دور ایک نئی بستی اس تمام سامان کو رکھنے اور ہنر مندوں کے' تعمیر کے دوران' رہنے سہنے کے واسطے پہلے ہی تیار ہو چکی تھی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تعمیر مدینے میں ہونی تھی تو پھر سازو سامان مدینے ہی میں رکھا جاتا! آخر یہ چار فرسنگ (بارہ میل) دور کیوں — اس کی وجہ ترک یہ بتاتے ہیں کہ آخر ایک بہت بڑی عمارت تیار ہونی تھی کہ جس کے واسطے مختلف جسامت کے ہزاروں پتھر کاٹے جانے تھے' بڑے بڑے مچان ٹھوک ٹھاک کر تیار ہونے تھے۔ اس کے علاوہ بھی بہت

سے ایسے ضروری عمارتی عمل ہونے تھے کہ جن میں شور کا بے حد امکان تھا' جبکہ وہ چاہتے تھے کہ عمارت کی تعمیر کے دوران مدینے میں ذرہ برابر بھی کوئی شور نہ ہو اور جس فضا نے ہمارے رسولؐ کی آنکھیں دیکھیں اور آواز سنی ہوئی تھی وہ اپنی حیا' سکون اور وقار قائم رکھے۔

سو ہر ایسا کام جس میں ذرا بھی شور کا امکان تھا' مدینے سے چار فرسنگ کے فاصلے پر ہوا اور پھر ہر چیز کو ضرورت کے مطابق مدینے لے آیا گیا۔ ایک ایک پتھر پہلے وہیں کاٹا گیا اور پھر مدینے لا کر نصب کیا گیا۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ چنائی کے دوران کسی پتھر کی کٹائی ذرا زیادہ ثابت ہوئی یا کوئی مچان یا جنگلا چھوٹا بڑا پڑا' تو اس کو عجلت میں ٹھوک بجا کر وہیں رسولؐ کے سرہانے ٹھیک نہ کیا گیا بلکہ چار فرسنگ دور کی بستی لے جا کر اور درست کر کے دوبارہ مدینے لایا گیا۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ اس دور میں ذرائع مواصلات کیا تھے۔ بھاری بوجھ نہایت سست رفتاری اور صبر سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاتا تھا' اور انسانی نقل و حمل کے واسطے سب سے تیز رفتار سواری گھوڑے کے علاوہ کوئی اور نہ تھی۔

سو جب کہ سارا عمارتی سامان اپنی خام شکل میں مدینے کے مضافات والی بستی میں پہنچ گیا' اور پھر پانچ سو کے لگ بھگ ہنرمندوں کی جماعت نے بھی اس ہی بستی میں آن کر سکونت پالی تو سب کچھ اب اس جماعت کے سپرد کر دیا گیا۔ اپنے فنون کے استعمال اور اپنے تخلیقی عمل میں یہ فن کار و ہنر مند بالکل آزاد تھے۔ صرف دو احکامات ان کو دیے گئے۔ اوّل یہ کہ تعمیر کے لحۂ اوّل سے لے کر لحۂ تکمیل تک اس جماعت کا ہر ہنر مند اپنے کام کے دوران باوضو رہے' اور دوئم یہ کہ اس دوران وہ ہر لحہ تلاوتِ قرآن جاری رکھے۔

سو' باوضو حافظ قرآن ہنرمندوں کی یہ جماعت پورے پندرہ برس تک مسجد نبویؐ کی تعمیر میں مصروف رہی' اور پھر ایک صبح آئی کہ مسجد نبویؐ کے خلائی نشان کی چوٹی سے فجر کی اذان نے' زمین سے نہایت ہی بھروسے اور ایمان سے اگی اس عمارت کے مکمل ہونے کا اعلان کر دیا۔ اب خلا محفوظ بھی تھا اور آزاد بھی۔

یہ عمارت کیسی ہے' کیا ہے' کہاں ہے اور کہاں لے جاتی ہے' اس کے بارے میں تو الگ کتاب لکھوں گا---- یہاں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ عمارت اس جہان میں ہوتے ہوئے بھی اس جہان میں نہیں ہے۔ اپنے آپ میں قائم رہ کر اس عمارت کو دیکھو تو یہ کہیں اور ہے' اپنے آپ سے باہر قدم دھر کے اس کو دیکھو تو یہ کہیں اور' اور ہم کچھ اور ہیں۔ پتھر' خلا' ہوا' آواز' لحن' نیت' ایمان اور نور نے مل کر صبر کی ایک نئی بُنت کی ہے۔ متوازی اوقات اگر رنگ برنگ

کے دھاگے ہیں تو ان کی بُنت میں بے رنگ کا دھاگا اس عمارت کا نور ہے جو کہ اس بُنت کو محض معنی ہی نہیں دیتا بلکہ اوقات کا ایک دوسرے سے ایک جائز اور مخفی رابطہ بن کر اوقات کو ایک مرکز بھی فراہم کرتا ہے۔ اور اوقات کے اس مرکز سے ہم کو اپنے رسولؐ کی آواز یوں آتی ہے کہ جیسے خلا محفوظ بھی ہو اور خلا آزاد بھی' کہ جیسے آواز پرندہ بھی ہو اور لہو بھی' کہ اندھیرے میدانوں میں کبھی نور کا شجر اُگے تو کبھی نور کی وادیوں میں اندھیرا خود ایک شجر ہو' کہ جیسے نور محض نور ہی نہ ہو بلکہ نور کا منبع بھی ہو۔ سو جب ریاض الجنتہ میں اس خلا کے خم پر اپنے رسولؐ کے سرہانے بیٹھو تو کشف ہوتا ہے کہ آخر محبت کے کیا معنی ہیں اور ۔ت کی کیا حدود۔ اور پھر وہ ؛ نام ہنرمند یاد آتے ہیں کہ جن کو اپنے ہنر سے اس واسطے محبت تھی کہ وہ ان کے رسولؐ کے واسطے تھا۔ کہ جنہوں نے اس چٹیل میدان میں' اس جنت کی کیاری کے کنارے' اپنے رسولؐ کی قیام گاہ کی حیا' سکون اور حیرت کو قائم رکھتے ہوئے اس عمارت کو اس خلا کے خم پر تعمیر کیا تھا کہ آج اس عمارت میں محض ان کا ہنر ہی نہیں بلکہ ان کے ہنر کا غیب بھی محفوظ ہے۔ اور پھر ترکوں کے واسطے دعا ہماری پور پور سے بلند ہوتی ہے۔

(درج بالا مضمون مجلہ "روایت" شمارہ ۱' ۱۹۸۳ء لاہور ص ۳۷۹ - ۳۹۰ میں شائع شدہ مضمون "خاکِ حجاز کے نگہبان" سے ماخوذ ہے)

بقیہ: رسائل و مسائل

مسنون دعا' نمازوں کے بعد اور رات کے وقت زیادہ سے زیادہ مقدار میں اچھی طرح خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے رہیں۔

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ضَلَعِ الدَّیْنِ وَ قَھْرِ الرِّجَالِ"

آپ کو سیونگ سرٹیفکیٹ پر منافع کی جو رقم ملے وہ آپ بحالت موجودہ اپنے اضطراری حالات میں مبتلا شوہر کو دے سکتی ہیں۔ آپ ان کو یہ رقم بھی دے دیں اور ان کے لیے دعا بھی کریں نیز مذکورہ مسنون دعا آپ بھی پڑھا کریں تاکہ آپ کے گھر کے حالات سدھر جائیں۔ انشاء اللہ صبر اور حوصلے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آپ کے لیے آسانیاں پیدا فرمائیں گے۔

طبقۂ مُترفین اور اسلام کا نظامِ عدل

مولانا گوہر رحمٰن

قیامِ عدل

اللہ کی بندگی کا نظام عدل و انصاف اور اعتدال و توازن پر مبنی ہے' اور دنیا کا ہر طاغوتی نظام ظلم وجور اور افراط و تفریط پر مبنی ہے۔ انبیاءؑ کی بعثت اور آسمانی کتابوں کا نزول عدل کے قیام کے لیے ہوا تھا۔

"بے شک ہم نے بھیجے تھے اپنے رسول' کھلی دلیلوں کے ساتھ اور نازل کی تھیں ان کے پاس کتابیں اور میزان تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔" (الحدید ۵۷ - ۲۵)

میزان کے لغوی معنی ہیں ترازو' جو عدل و انصاف کے قیام اور حقوق کے تعین کا ایک آلہ ہے۔ مجاہد اور قتادہؒ نے فرمایا ہے کہ اَلْمِیزَانُ ھُوَ الْعَدْلُ۔ اس آیت میں میزان کے معنی ہیں عدل و انصاف' یعنی اللہ نے جو کتابیں نازل فرمائی تھیں ان میں عدل کے قیام سے متعلق احکام نازل ہوئے تھے اور ان میں عدل و انصاف کے قیام کی تاکید کی گئی تھی۔

قرآن کریم کی چالیس آیات میں عدل و قسط کا حکم دیا گیا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے درست فرمایا ہے کہ:

اللہ کے دین کا مقصد یہی ہے کہ اس کے بندوں کے درمیان انصاف قائم کیا جائے اور لوگ انصاف پر قائم رہیں (الطرق الحکمیہ' ص ۱۷)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے قرآن و سنت کی قطعی نصوص کی روشنی میں فرمایا ہے:

"سیاستہ شرعیہ" کی عمارت دو ستونوں پر قائم ہے۔ ایک ہے مناصب پر اہلیت کی بنیاد پر تقرریاں کرنا' اور دوسرا ہے عدل پر قائم رہنا" (السیاستہ الشرعیہ' ص ۷)

عدل و قسط کے معنی ہیں حق دار کو اس کا حق دینا اور دلوانا اور ظلم کے معنی ہیں حقدار کی حق تلفی کرنا۔ اسلام میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کے ساتھ محبت و عقیدت یا نفرت و عداوت میزان عدل کے دونوں پلڑوں

میں سے کسی بھی پلڑے کو جھکا نہ سکے۔ ہر ایک کو اس کا جائز حق دیا جائے اور ہر ایک کے ساتھ وہی رویہ اختیار کیا جائے جس کا وہ مستحق ہو۔ کسی کا حق خود دبا دینا بھی ظلم ہے' اور اس کا حق کسی اور کو دے دینا بھی ظلم ہے۔ اسی طرح کسی شخص کے حق میں کمی کرنا بھی ظلم ہے' اور اس حق کی ادائیگی میں تاخیر کرنا بھی ظلم ہے۔

عدلِ اجتماعی

معاشی انصاف کی حقیقت یہ ہے کہ ایسا اقتصادی نظام قائم کیا جائے اور ایسا معاشرہ تشکیل دیا جائے جس میں رزق حلال کے حصول کے مواقع ہر ایک کو حاصل ہوں' اور کسی مخصوص و محدود طبقے کو معاشی وسائل پر اجارہ داری حاصل نہ ہو۔ ریاست معاشرے کے ہر فرد کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ دار ہو۔ ہر شہری کو روزگار کی سہولتیں فراہم کی جائیں' اور معذوروں' لاوارث اور بے مال یتیموں' بیواؤں' بے روزگاروں اور بنیادی ضروریات سے کم آمدنی والے لوگوں کے لیے مناسب حال وظائف مقرر کیے جائیں۔ اگر زکوٰۃ فنڈ میں گنجائش نہ ہو تو قومی خزانے سے یہ وظائف دیے جائیں۔ قومی خزانے کا اہم ترین مصرف معذوروں' بیواؤں' یتیموں اور فقراء و مساکین کی مالی کفالت ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے:

> فایّما مومنٍ مات وَ ترکَ مالاً فلیرثہ عصبتہ من کانوا' ومن ترک دَیناً او ضَیاعاً فلیأتِنی فانا مولاہ (صحیح بخاری' کتاب الاستقراض)
>
> "جو مسلمان بھی مرجائے اور اس نے مال چھوڑا ہو تو یہ مال اس کے وہ نسبی وارث لیں گے جو اس کے وارث بن سکتے ہوں اور جس نے اپنے اوپر کسی کا قرض چھوڑا ہو یا اپنے پیچھے ایسے بیوی بچے چھوڑے ہوں کہ اگر ان کی کفالت نہ کی جائے تو وہ تباہ ہو جائیں گے تو وہ میرے پاس آجائیں میں ان کی کفالت کا ذمہ دار ہوں۔"

اس حدیث میں بیواؤں اور یتیموں کی کفالت اور میت کے قرض کی جو ذمہ داری رسول اللہؐ نے اپنے اوپر ڈالی ہے تو اس سے مراد شخصی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔

عدلِ اجتماعی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ غیر شرعی اور غیر منصفانہ طریقوں سے دولت اکٹھی کرنے اور جائیدادیں بنانے کے تمام راستے اور چور دروازے سختی کے ساتھ بند کر دیے جائیں۔ شخصی مفاد پر عوامی مفاد کو ترجیح دی جائے۔

غرض یہ کہ ہر وہ عمل یا اقدام اور تدبیر معاشی انصاف ہے جس کے نتیجے میں عوام کی بنیادی ضروریات پوری ہوتی ہوں' ہر ایک کو اس کے حقوق ملتے ہوں' اور کسی کی بھی حق تلفی نہ ہوتی ہو۔ اور ہر وہ عمل' روش اور اقدام معاشی ظلم ہے جس کے ذریعے لوگوں کے حقوق غصب کیے جائیں' زندگی کے وسائل چند افراد یا چند خاندانوں میں مرتکز ہو جائیں اور مخصوص و محدود لوگوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے عوامی مفادات کو نقصان پہنچایا جائے۔

عدلِ اجتماعی کی ضمانت وہی نظام دے سکتا ہے جو اللہ کی حاکمیت اور اس کی بندگی پر مبنی ہو' یعنی اسلامی نظام۔ تمام انبیاءؑ نے اسی نظام کی دعوت دی تھی اور آج کے دور میں تحریکاتِ اسلامی بھی اسی نظام کی داعی ہیں۔ اس نظام کی اساس چونکہ توحید ہے اس لیے مشرکانہ نظاموں کے داعی اس کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرتے رہے ہیں۔ ہر وہ نظام مشرکانہ ہے جس میں اللہ کی بندگی کی بجائے مخلوق کی بندگی کی جاتی ہو' جس میں اللہ کے احکام کی بجائے انسان کے وضعی قوانین کو بالادستی اور برتری حاصل ہو' اور جس میں اللہ کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کی جگہ کسی بادشاہ' کسی ڈکٹیٹر' کسی سردار' کسی جاگیردار' کسی پوپ یا پادری یا پھر عوام اور ان کے نمائندوں کی حاکمیت تسلیم کی گئی ہو۔ بادشاہت' آمریت' اشتراکیت' پاپائیت (تھیوکریسی) اور دین و اخلاق سے آزاد سرمایہ دارانہ جمہوریت' یہ سب مشرکانہ نظام ہیں' اس لیے کہ ان سب کی اساس مخلوق کی حاکمیت ہے اور اسلامی نظام کی اساس اللہ کی حاکمیت اور مخلوق کی عبدیت ہے۔ اسلامی نظام کی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ مخالفت ہر دور میں مترفین نے کی ہے۔

اسلام کی دعوت خدا پرستی کی دعوت ہے اور مترفین کی زندگی کا نظام مادہ پرستی اور نفس پرستی پر مبنی ہے۔ خدا پرستی و مادہ پرستی کے درمیان مفاہمت و موافقت ممکن نہیں ہے' بلکہ ان دونوں کے درمیان کشمکش اور محاذ آرائی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ مترفین کی مترفانہ سرگرمیوں کے بارے میں قرآن کریم میں متعدد آیات آئی ہیں۔ ان آیات کے نقل کرنے سے پہلے مترفین کے اصل مفہوم کا تعین ضروری ہے تاکہ آیات کو سمجھنے میں بھی آسانی رہے اور انہوں نے انبیاء کی دعوت کی جو مخالفت کی تھی اس کی وجوہات بھی معلوم ہو جائیں۔

مترفین کون لوگ ہیں؟

مترف کا مادہ "ترف" ہے یعنی آسودہ حال ہونا۔ ابن درید (م ۳۲۱ھ) لکھتے ہیں:

رَجُلٌ مُتْرَفٌ ای مُتَنَعِّمٌ یعنی "آسودہ حال شخص" (جمہرۃ اللغۃ' ص ۱۱ /ج ۲) مگر مطلق خوش

حالی، آسودہ حالی اور مالداری کوئی برائی نہیں ہے، بلکہ وہ آسودہ حالی اور خوشحالی برائی ہے جو انسان کو سرکش اور مادہ پرست و خود غرض بنا دیتی ہو۔ دراصل مترف اس آسودہ حال شخص کو کہا جاتا ہے جو سرکش بھی ہو۔ علامہ جوھری (م ۳۹۳ھ) لکھتے ہیں:

اَتْرَفَتْہُ النِّعْمَۃُ اے اَطْغَتْہُ "آسودہ حالی نے اسے سرکش بنا دیا ہے" (الصحاح ص ۱۳۳۳/ج ۴)

ابن منظور افریقیؒ (م ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

والمترف ھوالذی اَتْرَفَتْہُ النِّعمۃُ وسَعَۃُ العیش المتنَعِّمُ المُتَوَسِّعُ فی مَلاذ الدنیا و شَھَوَاتِھا (لسان العرب، ص ۱۷، ج ۹) مترف وہ ہے جسے آسودہ حالی اور وسائل کی فراخی نے سرکش اور متکبر بنا دیا ہو، خواہش کی آسائشوں کے مزے لوٹتا ہو، اور جس کے پاس دنیا کی لذتیں اور خواہشیں پوری کرنے کے لیے وسائل کی کشادگی اور فراخی ہو۔"

علامہ مجدالدین فیروز آبادیؒ (م ۸۱۷ھ) لکھتے ہیں:

والمترف کمُکْرَم المتروک یَصْنَعُ ماشاء ولایُمْنَعُ وَالْمُتَنَعِّمُ لَا یُمْنَعُ من تَنَعُّمِہ والجَبَّارُ (القاموس، ص ۱۰۳۶) "مترف بروزن مکرم اس شخص کو کہا جاتا ہے جو آزاد ہو۔ جو چاہے کر گزرے کوئی اسے روک نہ سکے۔ جو عیاش ہو اور اپنی عیاشی سے باز نہ آتا ہو اور اس کے ساتھ وہ بڑا ظالم بھی ہو۔"

مشہور تابعی قتادہ بن دعامہ سدوسیؒ نے مترفین کی تفسیر اس طرح کی ہے:

اے اغنیاءُ ہا وَرُؤَ ساء ہا وجَبَابِرَتُہاو قادۃُ الشر (تفسیر قرطبی، ص ۱۹۵/ ج ۱۴)

یعنی "بستی کے دولتمند، سردار، ظالم اور برائی کے قائدین"

مذکورہ بالا تمام اقتباسات کا حاصلِ مفہوم یہ ہے کہ مترفین سے مراد وہ آسودہ حال اور مالدار لوگ ہیں جو کسی قاعدے قانون کی پابندی نہ کرتے ہوں، جو ظالم، عیاش، سرکش اور متکبر ہوں اور جو برائیوں کی قیادت کرتے ہیں۔ آج کل کی مروجہ زبان میں ایسے لوگوں کو سرمایہ دار اور جاگیردار کہا جاتا ہے۔ لغوی اور لفظی معنوں میں نہیں بلکہ عرفی معنوں میں۔

مترف بادشاہ بھی ہو سکتا ہے، قبیلے کا سردار بھی، سیاسی تاجر بھی، زمیندار اور صنعتکار اور مولوی اور پیر بھی۔ یہودی مولوی اور عیسائی راہب کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ باطل طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتا ہے اور اللہ کے دین سے لوگوں کو روکتا ہے،

اے ایمان والو! بہت سے علماء و مشائخ (اہلِ کتاب کے) لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں۔ انھیں ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے! اس روز جبکہ اس سونے اور چاندی کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ' جسے تم اپنے لیے جمع کرتے تھے پس اب مزہ چکھو اپنے اس جمع کیے ہوئے سونے چاندی کا۔ (التوبہ: ۳۴-۳۵)

یہ آیات اگرچہ یہودی علماء اور عیسائی راہبوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں لیکن جو جرم ان کا بیان ہوا ہے یہ اگر مسلمانوں کے علماء و مشائخ کے اندر موجود ہو تو یہ آیات ان پر بھی صادق آئیں گی۔ غلط فتوؤں' نذرانوں اور دوسرے باطل طریقوں سے مال و دولت جمع کرنا اور غریبوں کے حقوق ادا نہ کرنا' آج بھی بعض علماء و مشائخ کی عادت بنی ہوئی ہے۔ اسی قماش کے پیروں فقیروں نے دین کو بدلا ہے۔ عبداللہ بن مبارکؒ (م ۱۸۱ھ) نے سچ فرمایا ہے

وَهَلْ بَدَّلَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوكُ۔ وَاحْبَارُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُهَا

"اور نہیں بدلا ہے دین کو مگر بادشاہوں نے اور برے علماء و مشائخ نے"

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

بزیرِ دلق مرصع کمند ہا دارند
دراز دستی ایں کوتاہ آستیناں بیں

غرض یہ کہ مترف اور سرمایہ دار کوٹ پتلون میں بھی ملبوس ہو سکتا ہے' اور جبہ و دستار میں بھی۔ جس لباس میں اور جس نام سے بھی ہو مادہ پرستی' نفس پرستی اور خود غرضی اس کی زندگی کا نصب العین ہوتا ہے۔

مُترفین کے بارے میں آیاتِ قرآنیہ

مترفین کی تعیین و تشخیص کے بعد اب درج ذیل آیات پر تدبر کیجیے تاکہ ان کی ذہنیت سمجھ میں آجائے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ وَقَالُوْا نَحْنُ

اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (السباء : ۳۴-۳۵)

"اور نہیں بھیجا تھا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا' مگر کہا تھا اس بستی کے سرمایہ داروں نے' ہم ان احکام کو نہیں مانتے جو تمہارے ہاتھ بھیجے گئے ہیں۔ اور وہ کہنے لگے کہ ہم مال و اولاد میں زیادہ ہیں اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا"۔

یعنی' ان سرمایہ داروں اور سیم و زر کے پجاریوں نے انبیاءؑ کی دعوت تسلیم نہ کرنے کی دلیل یہ بیان کی تھی کہ ہم مال و اولاد میں تم سے زیادہ ہیں۔ یہ ہے ان کی مادہ پرستانہ ذہنیت کہ کثرت مال و اولاد کو برحق ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (الزخرف : ۲۳)

"اور اسی طرح نہیں بھیجا تھا ہم نے کسی بستی میں تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا' مگر کہا تھا اس بستی کے سرمایہ داروں نے کہ ہم نے پایا ہے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر اور ہم انہی کے نقش قدم پر چلیں گے۔"

یعنی' توحید اور خدا پرستی ہمارے آباء و اجداد کا طریقہ نہیں ہے بلکہ ہمارے باپ دادا کا کلچر اور ثقافت یہی مادہ پرستی' عیاشی اور بت پرستی ہے ہم اپنے اس قومی کلچر کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (بنی اسرائیل ۱۷ : ۱۶)

اور جب چاہتے ہیں ہم کہ کسی بستی کو ہلاک کر دیں تو اس بستی کے سرمایہ داروں کو اپنے احکام کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں۔ وہ اس بستی میں اللہ کے ان احکام کی نافرمانی کرتے ہیں اور ثابت ہو جاتی ہے ان پر اللہ کی بات (حجت) تو پھر ہم اس بستی کو تباہ کر دیتے ہیں۔

جمہور مفسرین نے امرنا کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ ہم نے ان مترفین کو اپنے شرعی احکام کی اطاعت کا حکم دیا' مگر انہوں نے نافرمانی کی' اور اپنے مترفانہ ہتھکنڈوں کے ذریعے عوام کو بھی نافرمانی کی راہ پر ڈال دیا۔ سیاق کلام کے مطابق تو یہی معنی صحیح ہیں' لیکن صحابہؓ و تابعینؒ سے اس جگہ امرنا کے دو معنی اور بھی نقل ہوئے ہیں۔ ایک معنی ہیں سلّطنا وامّرنا یعنی اس بستی پر ہم نے سرمایہ داروں کو مسلط کر دیا اور حکمران بنا دیا' اور انہوں نے اپنی اس سرمایہ دارانہ

حکومت کے ذریعے بستی میں نافرمانی پھیلا دی۔ دوسرے معنی ہیں کثونا یعنی ہم نے اس بستی میں سرمایہ داروں کی تعداد بڑھا دی اور انہوں نے نافرمانی پھیلا دی۔ ان تینوں معنوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ مترفین فسق و فجور کے عادی ہوتے ہیں' اور ان کے پاس جب حکومت کی طاقت بھی آجاتی ہے تو پھر اور زیادہ سرکش ہو جاتے ہیں' اور بستیوں کی تباہی و بربادی کا سبب بن جاتے ہیں۔

سورۃ ھود (آیت ۱۱۶) میں آیا ہے کہ اللہ کی زمین پر فساد پھیلانے والے یہی مترفین ہیں' جو بدستور مادہ پرستی اور عیش و عشرت میں پڑے رہتے ہیں اور عادی مجرم بن جاتے ہیں۔

سورۃ المومنون (آیت ۳۳) میں ہے کہ وہ سردار جن کے پاس مال' دولت کی فراوانی تھی انہوں نے رسولوں کے خلاف سازشیں کی تھیں۔ عوام کو ان کے خلاف اکسایا تھا اور ان کا مذاق اڑایا تھا۔

سورۃ المومنون (آیت ۶۴) میں مترفین کے بارے میں آیا ہے کہ جب ان پر عذاب آتا ہے تو فریاد کرتے ہیں' مگر عذاب آنے سے پہلے اپنی سرکشی سے باز نہیں آتے تھے۔

سورۃ الواقعہ (آیات ۴۱ تا ۵۶) میں اصحاب الشمال' بائیں بازو والے' کا نام انہی سرمایہ داروں کو دیا گیا ہے جو بڑے گناہ یعنی انکار آخرت اور فکر آخرت سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔ ان آیات میں ان کے جرائم کا ذکر بھی ہوا ہے' اور ان کی سزا کی تفصیل بھی دی گئی ہے۔

مترفین کو قرآن کریم میں بڑے مجرم اَکَابِرَ مُجْرِمِيهَا اور مستکبرین بھی قرار دیا گیا ہے

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَابِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا فِيهَا وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ (الانعام: ۱۲۳)

"اور اسی طرح پیدا کیے تھے ہم نے ہر بستی میں اس بستی کے بڑے مجرم جو سازشیں کرتے تھے اس بستی' میں حالانکہ یہ چالیں اپنے ہی خلاف چلتے ہیں اور سمجھتے نہیں ہیں۔"

سورۃ الاعراف میں مستکبرین اور مستضعفین کا مکالمہ نقل ہوا ہے

کہا ان سرداروں نے جو متکبر تھے صالحؑ کی قوم میں سے' ان لوگوں سے جو ایمان لائے تھے اور جو کمزور بنا دیے گئے تھے کیا تم جانتے ہو کہ صالحؑ اپنے رب کی جانب سے بھیجے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہم تو اس بات کو بھی مان چکے ہیں جسے دیکر اسے بھیجا گیا ہے کہنے لگے وہ متکبر لوگ کہ ہم تو اس بات کو نہیں مانتے جسے تم مان چکے ہو

(الاعراف : ۷۵-۷۶)

اس مکالمے سے معلوم ہوتا ہے کہ مال و جاہ کی کثرت نے ان کو سرکشی پر ابھارا تھا اور ان مستکبرین نے اہلِ ایمان کو کمزور سمجھ لیا تھا اور وہ ان کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ ذکر کردہ آیات کے علاوہ قرآن کریم میں ۲۳ مزید آیات (لفظ استکبار کے ساتھ) آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی دعوت کا مقابلہ ہمیشہ مترفین اور مستکبرین نے کیا ہے۔ صحیح بخاری باب بدء الوحی میں آیا ہے کہ انبیاء کی پیروی ہمیشہ کے لیے ان لوگوں نے کی ہے جو ضعفاء یعنی کمزور تھے مترفین اور مستکبرین نہیں تھے **الامن شاء اللہ تبارک و تعالی**

مترفین کے بارے میں احادیث رسولؐ

مترفین کے بارے میں رسول اللہؐ کی چند احادیث بھی ملاحظہ کر لیجئے تاکہ ان کی ذہنیت اور زیادہ مکمل کر سامنے آجائے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال النبیؐ تعس عبد الدینار وعبد الدرھم وعبد الخمیصۃ ان اعطی رضی وان لم یعط سخط تعس وانتکس واذا شیک فلا انتقش (صحیح بخاری، کتاب الجہاد)

"ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: تباہ و برباد ہو جائے اشرفی کا بندہ روپے کا بندہ اور جبے کا بندہ (ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ مخملی چادر کا بندہ) اگر اسے یہ چیزیں دی جائیں تو خوش ہو جاتا ہے اور اگر نہ دی جائیں تو ناراض ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص تباہ و برباد ہو جائے، سرنگوں ہو جائے اور جب اسے کانٹا چبھ جائے تو نہ نکالا جائے"

لعن عبد الدینار و عبد الدرھم (ترمذی، فی الزھد)

"لعنت ہو اشرفی اور روپے کے بندے پر"۔

وعن کعب بن مالکؓ قال رسول اللہؐ ما ذئبان جائعان ارسلا فی غنم با فسد لھا من حرص المرء علی المال والشرف لدینہ (مسند احمد ص ۴۶۰، ج ۳، مسند دارمی، ترمذی فی الزھد)

"کعب بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے: دو بھوکے بھیڑیے جو بھیڑ بکریوں میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ ان کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے جتنا نقصان مال و

منصب کی حرص کسی شخص کے دین کو پہنچاتی ہے۔"

ان احادیث اور اس مضمون کی دوسری متعدد احادیث سے سرمایہ داروں' جاگیرداروں اور بندگان درھم و دینار کی ذہنیت پر روشنی پڑتی ہے کہ ان کی دوستی اور دشمنی اور اتفاق و اختلاف کی بنیاد خدا پرستی اور حق پسندی نہیں ہوتی بلکہ مال و دولت' درھم و دینار اور عہدہ و منصب ہی ان کی دوستی و دشمنی کی بنیاد ہوتی ہے۔ جو بھی یہ چیزیں ان کو دیتا ہے یہ اس کے ساتھی ہوتے ہیں خواہ مومن ہو یا کافر' یہودی ہو یا ہندو' انگریز ہو یا سکھ' عوامی نمائندہ ہو یا فوجی جرنیل' کمیونسٹ ہو یا کیپٹلسٹ' جو بھی ہو یہ اس کے غلام ہوں گے اور جو ان کو یہ چیزیں نہ دیتا ہو یہ اس کے مخالف ہوں گے اگرچہ وہ اللہ کا رسول ہو۔ ان **عباد الدرھم و الدینار** اور **کلاب الدنیا** پر رسول اللہؐ نے لعنت بھیجی ہے اور ان کے حق میں بد دعائی کی ہے کہ اللہ ان کو تباہ و برباد کرے اس لیے کہ دین اسلام کے راستے میں یہ لوگ سب سے بڑی رکاوٹ بنے رہتے ہیں۔

پاکستان کے مترفین انگریزوں کی پیداوار ہیں

انگریزوں نے جب برصغیر پر اپنا سامراجی اور استحصالی نظام قائم کیا تو چند گھرانوں نے اس نظام کا استقبال کیا' اور انگریزوں کی سامراجی حکومت کو مستحکم کرنے میں اپنا کردار ادا کیا' ظاہر ہے کہ ان بندگان سیم و زر نے یہ تعاون مادی مفادات حاصل کرنے کے لیے کیا تھا۔ انگریز **"اولیاء الرحمن"** تو نہیں تھے کہ ان مترفین نے ان کی بیعت اپنی اخروی نجات کے لیے کی ہو' بلکہ وہ تو **"اولیاء الشیطن"** تھے جن کی بیعت ظاہر ہے کہ دنیوی مقاصد ہی کیلئے کی جاتی ہے۔ انگریزوں نے اپنے ان وفاداروں کو بدلے میں بڑی بڑی جاگیریں بھی الاٹ کر دیں اور دوسری مراعات (سیاسی' معاشی اور سماجی) سے بھی نوازا۔ پاکستان میں آج تک سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے یہی طبقات اور یہی مراعات یافتہ اور جاگیر یافتہ گھرانے حکمرانی کرتے رہے ہیں' اور آج بھی یہی لوگ حکمران ہیں۔ معاشی وسائل پر بھی انہی لوگوں کا تسلط ہے' اور سیاست پر بھی انہی کا قبضہ ہے۔ کروڑوں عوام ان کی اقتصادی اور سیاسی غلامی کی دوھری زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ انگریزوں کی عطا کردہ جاگیروں کی قوت پر آج یہ لوگ انتخابات جیتتے ہیں' اور حکومت پر قبضہ کر کے اپنے کارخانوں اور جاگیروں میں مزید اضافہ کرتے ہیں' اور ظلم و استحصال کی زنجیروں کے بندھن کو اور مضبوط کر لیتے ہیں۔ ان مترفین نے ریاست کے اندر اپنی الگ الگ مترفانہ راجدھانیاں بنا رکھی ہیں' اور ملکی وسائل کے تقریباً ۸۰ فی صد حصے پر انہوں نے قبضہ جما رکھا ہے۔ ان

بقیہ بر صفحہ ۴۶

رسائل و مسائل

سودی قرضے

سوال: موجودہ حکومت نے بے روزگاروں کے سلسلے میں کچھ اسکیمیں شروع کی ہیں۔

عام افراد کو صرف ۶۰،۰۰۰ روپے کی ادائیگی پر ٹیکسی کا مالک بنا دیا جاتا ہے (جبکہ تعلیم یافتہ فرد کے لیے مزید رقم میں کمی) بقیہ رقم بینک سے قرض کی صورت ادا کی جاتی ہے، بینک کی یہ رقم آسان قسطوں میں بمع سود بینک کو ادا کرنا ہوتی ہے۔ اسی طرح ۱۰،۰۰۰ روپے سے ۳۰۰،۰۰۰ روپے تک قرض دیا جا رہا ہے۔ اس رقم کی واپسی بھی بمع سود ادا کی جائے گی۔

کیا کوئی رکنِ جماعت از خود یا اپنے کسی عزیز یا دوست کے لیے مذکورہ بالا قرض حاصل کر سکتا ہے یا قرض کے حصول میں کسی بھی حیثیت سے معاون و مددگار، مشیر بن سکتا ہے اگر ایسا کرتا ہے تو جماعتِ اسلامی میں اس کی حیثیت کیا ہوگی۔

جواب: بے روزگاروں کے لیے سودی قرضوں کی سکیموں کے بارے میں حکم بالکل واضح ہے، کہ اس کا لین دین اور اس میں معاونت کی کوئی بھی صورت جائز نہیں ہے۔ اسی لیے جماعت اسلامی اپنے ارکان و متفقین کے لیے خصوصاً اور عامۃ المسلمین کے لیے عموماً" جملہ ناجائز کاموں میں، جن میں سودی سکیمیں بھی شامل ہیں، شرکت کی تمام صورتوں کو ناجائز سمجھتی ہے، اور ان میں شرکت سے روکتی ہے۔ اگر کسی رکن سے اس نوعیت کے ناجائز کاموں میں شرکت یا تعاون کی کمزوری کا ارتکاب ہوا ہو تو اسے متوجہ کرنا چاہیے، اور منع کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ غیر شعوری طور پر اس سے غلطی کا ارتکاب ہوا ہو۔ لیکن سمجھانے پر اگر نہ سمجھے، اسے اپنی غلطی کا احساس نہ ہو، اور اس ناجائز کام میں مستقلاً" ملوث ہو، تو اس کے بارے میں متعلقہ جماعت کو متوجہ کیا جائے اور ضابطے کے مطابق اس کے خلاف کارروائی کی جائے۔ واللہ اعلم

سیونگ سرٹیفکیٹ کا سود

سوال : میں ایک سکول ٹیچر ہوں، میں نے دس سال پہلے ڈاک خانے سے سیونگ سرٹیفکیٹ خریدے تھے۔ کہ دس سال بعد یہ دوگنے ہوجائیں گے۔ اب مجھے مذہب کے بارے میں کچھ شعور آیا ہے۔ میں بہت پریشان ہوں کہ اس سرٹیفکیٹ کا میری اصلی رقم کے علاوہ' پیسہ یعنی منافع جائز بھی ہے یا نہیں اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ چونکہ حکومت یہ پیسہ کاروبار میں لگاتی ہے اس لیے اس کا منافع ہمارے لیے جائز ہے۔ دوسرا یہ کہ میرے شوہر پہلے دوائیوں کا کام کرتے تھے جن میں انہیں بہت نقصان ہوا ان کو تقریباً ۹ لاکھ کا نقصان ہوا انہوں نے کافی لوگوں کا قرضہ دینا ہے اور کافی لوگوں سے لینا ہے' مگر نہ ہی کوئی دیتا ہے اور نہ ہی یہ دینے کے قابل ہیں۔ اب عرصہ تین سال سے بالکل بے کار ہیں' کوڑی کوڑی کے محتاج ہیں۔ بھائیوں کا بھی قرضہ دینا ہے۔ زمین سے جو ہزار روپے سالانہ آتے ہیں وہ بھائی کاٹ لیتے ہیں اور پلاٹ پر دوسرے بھائی کا قبضہ ہے وہ بھی کہتا ہے میرا قرضہ دینا ہے' پلاٹ میں نہیں دوں گا' نہ وہ بیچنے دیتا ہے۔ ایک ڈالا گاڑی ہے جو بہت پرانی ہے وہ بھی عرصے سے ورکشاپ میں کھڑی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اصل رقم کے علاوہ جو رقم منافع کی ہو وہ اپنے شوہر کو دے دوں تاکہ وہ اپنی روٹی کما سکیں۔ ہماری کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس لئے کوئی بھی حصہ دینے کو تیار نہیں ہے میں نے اپنی رقم آڑے وقت کے لئے رکھی ہوئی ہے آپ اپنے مفید مشورے سے نوازیں کہ کیا میں منافع کی رقم اپنے شوہر کو دے دوں۔

جواب :

ڈاک خانے سے سیونگ سرٹیفکیٹ پر جو اضافی رقم ملتی ہے وہ سود ہے اور سود شرعاً حرام ہے۔ آپ نے دس سال پہلے جو سرٹیفکیٹ خریدے تھے وہ ڈاک خانے والوں کی طرف سے آپ کو دوگنا کر کے دیے جا رہے ہیں تو اصلی رقم سے زائد جو ملے گا وہ سود شمار ہوگا۔

آپ نے اپنے شوہر کی دکھ بھری کہانی جو بیان کی ہے اسے پڑھ کر بڑا دکھ اور صدمہ پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کے شوہر کی مدد فرمائے تاکہ ان کے قرضوں کا بوجھ اتر جائے اور وہ خوشحالی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں اپنی زندگی بسر کریں۔ اور ان کی معیت میں آپ کو بھی خوشی اور اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور بندگان خدا کی خدمت اور اصلاح کا کام کرنے کا موقع میسر ہو۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل

بقیہ بر صفحہ ۳۵

مطبوعات

(ادارہ)

پیغمبرانہ دعائیں: از جناب ڈاکٹر خالد علوی، شعبہ اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی، نیو کیمپس، لاہور، ناشر: انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز۔ طابع اور ساکشت: ادارہ ادب اسلامی وحدت روڈ، لاہور۔ قیمت درج نہیں۔ کاغذ ہلکا، کتابت بھی درجہ اول کی نہیں۔ دبیز رنگین سروق۔

خدا کے بندوں کی روح کردار ایمان اور خدا سے ذریعہ ربط دعا ہے۔ دعا جو تمام عبادات کا لازمی حصہ ہے (الدعا مخ العبادہ) اور دعا جس کے کلمات میں آدمی کے ایمانی جذبات لفظوں کی صورت اختیار کرکے خود اس پر بھی اس کے باطن کو منکشف کرتے ہیں، اور خدا سے محبت کے رشتے کو بھی استوار کرتے ہیں۔ سچا خدا پرست ہر لمحہ ہر معاملے میں دعا کا سہارا لیتا ہے اور اس سے تقویت حاصل کرتا ہے، نیز خدا کی عنایات خاص سے دنیا و آخرت کی بھلائی کا حصہ پاتا ہے۔

خدا کے انبیاء علیہم السلام نے مختلف حالات و ضروریات میں، خدا سے جو دعائیں بہترین ایمانی جذبات اور بہترین الفاظ کے ساتھ کی ہیں، جن میں سے بیشتر در اجابت سے گزر کر مرتبہ قبولیت کو پہنچیں، ان کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں شامل کر دیا ہے۔

اس کتاب کے مقدمے میں اور مختلف ابواب کی توضیحات میں صحیح نقطۂ نظر کے ساتھ دعا کی اہمیت، آدابِ دعا، قبولیت کی شرائط وغیرہ موضوعات پر ایمان افروز اور شعور آفریں حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ ہر دعا کے ساتھ اور ہر دعائیہ حقیقت کے ساتھ حوالہ درج ہے۔

اولاً یہ کتاب برطانیہ کی مسلم کمیونٹی کے لیے لکھی گئی تھی، مگر اب پاکستان اور دوسرے

علاقوں کے اردو داں طبقوں کے لیے زیادہ وسیع انداز سے پیش کی جارہی ہے۔

ڈاکٹر صاحب جذبہ ایمانی، مطالعہ اسلام، شوق خدمت اسلام، شستہ گفتاری اور شائستہ کرداری جیسی خوبیوں سے آراستہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی مرتبہ کتاب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

(ن - ص)

قرآنی اور مسنون دعائیں: تدوین و تحقیق از سید شبیر احمد، ترتیب و تہذیب از ڈاکٹر محمد علی زرقاء، ناشر: "قرآن آسان تحریک" (رجسٹرڈ)، ۱۳-اے، ۲ ایجوکیشن ٹاؤن، وحدت روڈ لاہور (کوڈ ۵۴۵۷۰)۔ قیمت حسبِ حیثیت۔

سید شبیر احمد جو ایک مدت تک ادارۂ معارفِ اسلامی (منصورہ) میں کام کرتے ہوئے اپنی شفقتوں سے نوازتے رہے، انھیں میں نے ایک عرصہ تک سچے دینی جذبے سے ایسے چھوٹے چھوٹے کتابچے اور مفید لٹریچر مرتب کرتے ہوئے دیکھا جو آسان زبان میں خواص و عوام سب کے لیے ایمان کے آبیاری کرنے والا ہے۔ مثلاً ایک چیز انھوں نے مرتب کی "حزبِ اعظم" جو سائز کے لحاظ سے جیبی ہے اور اس میں قرآن کی ایسی منتخب آیات و عبارات مع ترجمہ پیش کی گئی ہیں کہ ان کا روزانہ یا وقتاً" فوقتاً" وظیفہ (باقاعدہ مطالعہ) کیا جائے کہ مصائب اور پریشانیوں میں حزب اعظم سے بڑا سہارا ملتا ہے۔ پھر موصوف نے ایک نئے انداز سے سورۃ بقرہ کا ترجمہ پیش کیا۔ اب دعاؤں کی یہ کتاب ہمارے سامنے ہے۔

اس میں قرآنی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسنون دعائیں جمع کی گئی ہیں۔ پیش لفظ، مشورے اور ہدایات، دعا اور فضیلت دعا، آدابِ دعا، قبولیتِ دعا کے اوقات، وہ لوگ جن کی دعا جلد قبول ہوتی ہے، قبولیتِ دعا کے مقامات، ذکرِ الٰہی اور فضیلتِ ذکر، نبی کریم پر صلوۃ و سلام میں بہت ہی قیمتی اور مستند معلومات بہ سلسلۂ دعا جمع کی گئی ہیں۔ انداز سادہ مگر عالمانہ ہے۔ پھر قرآنی دعائیں اور مسنون دعائیں درج کی گئی ہیں۔ آخر میں اسی حزبِ اعظم جس کا ذکر میں نے پہلے کیا ہے۔

تقویت ایمان اور تسکین دل کے لیے یہ جیبی سائز کا کتابچہ ۲۵۶ صفحات کا ہے اور طباعتی لحاظ سے بہت اچھا۔ اندازاً" سائز ۳/۴ ۵" x ۱/۴ ۴" ہوگا۔ (ن - ص)

دعا: از عرفان حسن صدیقی ایڈمنسٹریٹر فضل سلمان ٹرسٹ۔ ناشر: فیروز سنز لاہور۔ کاغذ بہت سفید نہیں۔ طباعت کمپیوٹرسسٹم سے' صفحات ۱۶۰۔ جلد مضبوط و رنگین' ڈیزائن دار۔ قیمت ۷۵ روپے۔

نوجوان مؤلف عزیز بھی ہیں اور جناب صفدر حسن صدیقی کے فرزند بھی۔ انہوں نے اپنے دل و دماغ کی زیادہ تر خود ہی تربیت کی اور اسلام کو محور و مقصد بنا لیا۔ اپنی ہی کاوش و محنت سے انہوں نے قرآن سے مختلف موضوعات پر آیات جمع کرکے ان کے حوالے دیے ہیں۔ مثلاً اس کتاب "دعا" میں انہوں نے قرآن سے تمام وہ آیات مع ترجمہ و حوالہ اس کتاب میں ترتیب وار اور مختلف ابواب میں جمع کردی ہیں جو دعا سے متعلق ہیں۔ شروع میں تصور دعا اور تصور عبادت اور چند دوسری بنیادی حقیقتوں کو واضح کیا گیا ہے۔ باب (۱) سے (۱۷) تک دعا کے متعلق اصولی باتیں بحوالہ قرآن درج ہیں۔ پھر آگے ہر باب میں خاص خاص عنوانات کے تحت دعائیں مع ترجمہ درج ہیں۔ اس نوجوان نے تفاسیر و تراجم سے استفادہ کرکے بہت ہی اچھے تراجم پیش کیے ہیں اور کہیں کہیں تشریح بھی۔

بظاہر کتاب انڈکس معلوم ہوتی ہے مگر پڑھیں تو ہر صفحہ نہایت حقائق اور دلچسپ معلومات لیے آپ کے سامنے آتا ہے۔

عجیب تماشا ہوا کہ یہ نوجوان ایک طرف کئی لاکھ کی بجری کسی سرکاری ضرورت کے لیے فراہم کرتا رہا اور دوسری طرف قرآن سے گل چینی کا مشغلہ بھی جاری رکھا۔ بجری کی قیمت تو ڈوب گئی' مگر قرآنی پھولوں کے چمن آراستہ ہو گئے۔ دعا کے بعد شاید عدل اور دوسرے موضوعات پر کام کیا جا چکا ہے۔

اس کتاب میں جناب تبسم علی چیئرمین فضل سلمان ٹرسٹ رجسٹرڈ کی تحریر شروع میں اور مرزا محمد منور کی "تقریر" آخر میں شامل کی گئی ہے۔ اول آخر دونوں درست۔ بیچ میں میرے لکھے ہوئے ۲ صفحے بھی شامل ہیں جن کا مقصد اس نیک کام سے ہلکا سا تعلق پیدا کرکے حصول ثواب ہے۔ (ن - ص)

علمائے اسلام: تصنیف مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ' اشاعت دوم' بہ تدوین نواز جناب طالب الہاشمی۔ ناشر: نذیر احمد سبحانی' سبحانی اکیڈیمی' اردو بازار لاہور۔ سفید کاغذ متوسط کتابت' دبیز رنگین سرورق۔ قیمت ۴۵ روپے۔

مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی شخصیت فروغ علم اور خدمت دین و ملت کے پرزور رجحانات کا ایک اچھلتا فوارہ تھی۔ وہ اس دور کی رونق تھے جب ایک طرف آزادی کی مساعی اور دوسری طرف احیائے ملت کی تحریکات کی وجہ سے ہر صاحب علم اور مفکر ان معرکوں میں اپنا اپنا حصہ ادا کر رہا تھا۔ مولینا سیالکوٹی بھی اپنی جلالی طبیعت کے ساتھ خطابت کی قوت سے بہت کام لیتے۔ انہوں نے تحریک پاکستان کا ساتھ دیا۔ درس قرآن بھی دیتے۔ مولانا اسحٰق بھٹی کی روایت کے مطابق مولینا سیالکوٹی نے تراسی تصانیف اپنی یادگاریں چھوڑیں۔ جن میں ۸۰ کی فہرست پیش کر دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں رسالہ ہادی اور الہدیٰ کی جلدیں اور دوسرے بے شمار متفرق مضامین بھی ان کا علمی ورثہ ہیں۔ یہ کتاب جو سامنے ہے۔ اس کا اصل نام **احکام المرام باحیاء ماثر علماء الاسلام** تھا۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۰۶ء میں شائع ہوا۔ اب دوسرا ایڈیشن طالب الہاشمی کے پر خلوص جذبہ خدمت حق اور ولولہ اعزاز علمائے اسلام کے زیر اثر ۸۶ سال بعد شائع ہو رہا ہے۔

اس کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں ایک باب ذخیرہ حدیث بعنوان صحاح ستہ کو چھوڑ کر بقیہ ۲۱ مضامین نامور علماء و فقہا کے ہیں۔ ان علماء میں وہ ہستیاں بھی ہیں جنہیں اہل حدیث حلقے خصوصی اہمیت دیتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ائمہ اربعہ کے علاوہ اور بھی ایسے بزرگ ہیں جن کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جملہ علما کے سوانح اور علمی مرتبے اور ان کے کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔

کیا حیرت انگیز نمونہ ہے کہ اپنا خاص مسلک رکھتے ہوئے انہوں نے ائمہ اربعہ اور ان کے بعد کے فقہائے نامور کے لیے ایسی تحسین آمیز زبان لکھی ہے کہ آدمی آج کل کے فرقہ وارانہ تعصبات کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ میر صاحب کے ہاں امام ابن تیمیہ اور عبداللہ بن مبارک کی جس طرح قدر ہے، اسی طرح امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام برہان الدین (صاحب ہدایہ) کے ساتھ دوسرے علماء و فقہا کی منزلت ہے۔

کاش کہ فقہی مسلکوں پر لڑنے والے حضرات اور ان کے گروہ اس نمونہ خوشنما سے سبق لیں۔ مولینا محمد اسحٰق بھٹی کا طویل، عریض اور عمیق مقدمہ بڑا معلومات افزا اور جناب مولینا ابراہیم میر سیالکوٹی کی شخصیت کے نہایت اہم اور دلچسپ پہلوؤں کا عکاس ہے۔ (ن - ص)

رفیق منزل (خاص نمبر): ماہانہ رسالہ، مدیر جناب طارق فار قلیط فلاحی۔ چندہ سالانہ ۴۵ روپے، فی شمارہ ۴ روپے۔ زیر نظر اشاعت خاص بہ عنوان مولینا ابواللیث

اصلاحی مرحوم۔ حیات و خدمات۔ سابق امیر جماعت اسلامی ہند۔ صفحات ۲۰۸' کاغذ نیوز' سرورق رنگین مع تصویر مولینا ابو اللیث اصلاحی۔ قیمت خاص نمبر ۱۵ روپے۔ پتہ: ۲۳۰ ابوالفضل ۱-تنلیتو' جامعہ نگر' اوکھلا' نئی دہلی ۲۵' مالی امور کے لیے "رفیق منزل"' نئی دہلی ۲۵-انڈیا۔

وقت کے چیلنج بالعموم بعض نمایاں شخصیتوں کا رتبہ گھٹا دیتے ہیں' اور بعض نئے رجال کار کو ابھار کر آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دیتے ہیں۔ خاص طور سے دینی دائرے میں اور مزید امتیازی طور پر تحریکات اسلامی کے حلقوں میں یہ منظر بار بار دیکھا کہ آسمان تاریخ پر نئے نئے چاند اور نئے نئے ستارے نور پاش ہوتے رہے۔ ایسی ہی ایک شخصیت مولینا ابواللیث اصلاحی مرحوم کی تھی۔ مدرسہ اصلاح میں ان کا بڑا مقام تھا لیکن ان کی صلاحیتیں جب تحریک اسلامی کو حاصل ہوئیں تو وہ ہندوستان بھر کی ایک ممتاز شخصیت بن گئے اور ان کی سادگی' درویشی اور خدا پرستی اور انسان دوستی اور حکمت و تدبر کی کرنیں ہر طرف پھیلنے لگیں۔ یہاں تک کہ جب وہ لاکھوں دلوں کی دھڑکن بن گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیائے امتحان سے اٹھا لیا اور ایک تازہ دم صاحب صلاحیت کو ان کی جگہ امتحان زندگی کے علاوہ امتحان عاشقی میں ڈال دیا۔

میں اس ماہنامے کے خاص نمبر کو چند سطری عبارت کے ذریعے بھی متعارف کرا سکتا تھا' مگر یہ نمبر چونکہ مولانا ابواللیث کی ذہنی' قلبی اور اخلاقی خوبیوں کو جاننے کا ایک اچھا ذریعہ ہے اس لیے قدرے تفصیل سے بات ہو گی۔ میں ذاتی طور پر اس کا بہت خواہاں رہا کہ مولانا ابواللیث سے بالمشافہ رابطہ کے ذریعے ان کی علمی اور تحریکی زندگی کا کچھ علم حاصل کروں۔ مگر سرسری ملاقات سے آگے بڑھنے کا موقع ہی نہ ملا۔ اب میں نے اس خاص نمبر کو بغور تفصیل سے دیکھا اور یہ جاننے کی سعی کی کہ مرحوم میں بڑائی کا کیا جوہر تھا؟ چند اشارات (اقتباسات) آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

خاص نمبر کے اداریہ "دانائے راز" کا ایک جملہ:

"وہ سمندر سے زیادہ گہرے اور ہمالیہ سے زیادہ ٹھوس تھے"

مزید: "جماعت کا جو شورائی نظام ہے' اس میں ہر ایک اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے اور اس میں اس بات کی گنجائش کم رہتی ہے کہ کوئی اپنی بات من چاہے طریقے سے منوالے۔ لیکن اس میں یہ گنجائش ضرور رہتی ہے کہ کوئی بھی فرد ایک مسئلہ اٹھا کر اس پر دلائل فراہم کر کے اور فوری طور پر لوگوں کو مطمئن کر کے اس کے مطابق

فیصلہ کرا لے۔"

برصغیر کی تقسیم کے نتیجے میں جماعت اسلامی بھی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہو گئی۔ ایک حصہ پاکستان میں اور دوسرا ہندوستان میں۔ طارق فار قلیط فلاحی صاحب نے لکھا ہے کہ:

"اگر یہ کہا جائے تو خلاف واقعہ نہ ہو گا کہ صفِ اول کے افراد پاکستان چلے گئے۔ اور ہندوستان میں کچھ ارکان، کارکنان اور متفقین بچ گئے ——— یہاں جو لوگ موجود تھے ان میں قائدانہ صلاحیتیں اور اجتہادی قوتیں تقریباً نہیں کے برابر تھیں۔ ایسے علمائے کرام بھی تھے جو قرآن و حدیث پر گہری نظر رکھتے تھے، لیکن فیلڈ میں اترنے کی ہمت ان میں نہیں تھی ...... مرکزی نظم ختم ہو گیا تھا ...... تاہم یہاں کے رفقاء کے اندر یہ بات اوّل روز ہی سے موجود تھی کہ یہ کام جو شروع ہوا ہے، اس کو جاری رہنا چاہیے"

لیکن ساتھ ہی وہ مابعد تقسیم کے منظر کو بیان کرتے ہیں کہ:

"قتل کے خون سے زمین کا سینہ سرخ ہو گیا، آہ و فغاں سے فضا کانپ اٹھی۔ بلا مبالغہ ہزاروں افراد (بلکہ لاکھوں۔ راقم ہذا) تہ تیغ کیے گئے اور سینکڑوں بستیاں اجاڑی اور جلائی گئیں۔ ایسے حالات میں ایمان پر باقی رہنا اور اپنے آپ کو مسلمان کہنا ایک بڑی بات تھی، چہ جائیکہ کوئی تحریک چلائی جائے۔ ...... ایک طبقہ ایسا بھی وجود میں آیا جو اگرچہ بہت قلیل تھا، جس کا کہنا تھا کہ اب ہندوستان کے حالات تحریک اسلامی کے لیے مفید نہیں رہے اس لیے ...... تبلیغی جماعت کے خطوط پر کام شروع کر دینا چاہیے۔" (ایسے لوگ ہمیشہ پائے جاتے ہیں کہ کسی مشکل یا تاخیر کار کو دیکھ کر فوراً اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ تحریک کے نظامِ کار کو بدل دیا جائے۔ مگر ایسے لوگ تاریخ کے دامن کو ہمیشہ داغ دار کر کے رسوا ہوتے ہیں ——— راقم سطور ہذا)

کچھ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ مولانا مودودیؒ پاکستان ہی سے رہنمائی کرتے رہیں اور بھارت میں کسی نئے امیر کے بجائے ایک قیم مقرر کر دیا جائے جو مولانا مودودیؒ کی ہدایات کے مطابق کام چلائے۔

مگر اس طرح کی باتوں کو درکنار رکھتے ہوئے ۱۶ ر ۱۷ ر ۱۸ اپریل ۱۹۴۸ء کو ایک اجتماع بھارتی نظم جماعت کے مسئلے پر غور کرنے کے لیے بلایا گیا۔ تقریباً ۲۷ افراد مدعوئین تھے۔ ایجنڈے میں مرکز جماعت اور امیر کے انتخاب کے لیے دو مسئلے اہم تھے۔ اس اجتماع میں مولانا مودودیؒ اور

مولانا ابواللیث کے درمیان جو خط و کتابت ہوتی رہی تھی اس کو پڑھ کر سنایا گیا۔ پُر اضطراب ماحول میں طرح طرح کے اعتراض اٹھے، مگر بالآخر بعد دوپہر کی نشست میں ۲۶ اپریل بروز جمعہ انتخاب امیر کا مسئلہ موضوع بن گیا۔ چند نام تجویز کیے گئے۔ آخری مرحلے پر مولانا اختر احسن صاحب نے مولانا ابواللیث اصلاحی کا نام پیش کیا، حسنین سید صاحب نے تائید کی، تھوڑی سی گفتگو کے بعد اسی نام پر اتفاق ہو گیا۔

اب میں چند باتیں مختصراً ان کی دینداری اور سیرت کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔ مولانا محمد سلمان قاسمی بتاتے ہیں کہ چند مخیر اصحاب نے مولانا کی خدمت میں عرض کیا، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جماعت کے بیت المال کی پوزیشن اچھی نہیں ہے، اس لیے ہم ایک رقم پیش کرتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا۔

> "پہلے تو یہ بتایئے کہ ہمارے بیت المال کا راز آپ کو کیسے معلوم ہوا ہے دوسری بات یہ ہے کہ یہ رقم جو آپ لائے ہیں حلال کمائی کی ہے؟ ان دونوں باتوں کے صحیح جوابات کے بغیر ہم یہ رقم نہیں لے سکتے؟"

یہ ہے کسی اسلامی تحریک کے سربراہ کی شان! مزید ملاحظہ ہو! وہی راوی بتاتے ہیں کہ جب پولیس کا عملہ:

> "سردیوں کے زمانے میں سحر کے وقت آپ کو گرفتار کرنے اور مکان کی تلاشی کے لیے آپ کے مکان میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر کہ آپ کی چارپائی پر پیال بچھا ہوا ہے، حیرت میں پڑ گیا۔"

مولانا محمد سلمان قاسمی نے یہ روایت بھی کی کہ:

> "میں نے ایک صاحب کے سامنے پوچھا، مولانا! دینی جماعت کی قیادت غیر عالم دین کے ہاتھ میں چلی جائے تو جماعت کا کیا ہو گا۔ بڑی حسرت سے فرمایا: ایسا پاکستان میں ہو گیا۔ مصر میں ہو گیا، کچھ لوگ ہندوستان میں بھی یہی چاہتے ہیں۔"

شمس پیرزادہ بتاتے ہیں:

> "ان میں احساس برتری بالکل نہیں تھا شوریٰ کی نشستوں میں اپنے خیالات کا اظہار سب سے اخیر میں فرماتے اور اس طرح فرماتے کہ غرۂ علم کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ ہوتا۔"

نیز:

> مولانا نمائشی کام کبھی پسند نہیں کرتے تھے اور جماعت کے اندر انھوں نے کبھی نمائشی

کاموں کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ پروپیگنڈا ٹائپ کی چیزوں سے بھی وہ سخت احتراز کرتے تھے۔ ظاہرداری کے مقابلہ میں ان کی نگاہیں باطنی اوصاف پر ہوتیں۔"

مرحوم کی صاحبزادی ساجدہ بتاتی ہیں کہ:

"ہمیشہ ایک تہائی شب میں بیدار ہو جاتے اور بعد نماز تہجد انتہائی خشوع و خضوع اور گریہ و زاری کے ساتھ دعا و توبہ و استغفار میں مصروف رہتے"۔

وہ بتاتی ہیں کہ دوسری بار جب ان کا انتخاب کیا گیا تو والدہ کے انتقال کے بعد گھر کے حالات بہت پیچیدہ تھے۔ دو تین دن اپنی مشکلات اور جماعتی ذمہ داری کے سلسلے میں پریشانی ظاہر کرتے رہے۔

"ایک رات ان کو بالکل نیند نہ آسکی اور رات ایک دو بجے کے قریب مسجد چلے گئے' لہٰذا انہوں نے پوری رات نماز دعا اور استخارہ کرنے میں گزاری۔ اس کے بعد صبح تک امارت کی ذمہ داری اٹھا لینے پر اپنے آپ کو آمادہ اور مطمئن محسوس کرتے۔"

انہوں نے یہ اظہار بھی کیا کہ پوری جماعت کا مطالبہ ہے اور میں اگر اس کام کو کر سکتا ہوں تو خدا کے ہاں کہیں اس پر جواب طلبی نہ ہو جائے کہ تم نے اس ذمہ داری سے گریز کیوں کیا۔

محمد شعیب مدنی بتاتے ہیں کہ:

"۵ دسمبر ۹۰ء دس بجے دن مولانا اس دار فانی سے کوچ کر کے اپنے رب سے جا ملے۔ انتقال کے نصف گھنٹہ قبل بھی دو رکعت نماز ادا کی تھی۔ مولانا کے آخری کلمات یہ ہیں "نماز پڑھ لوں"۔

مولانائے مرحوم کی دو علمی آرا' سلطان احمد اصلاحی بیان کرتے ہیں' ان میں سے ایک عرض ہے۔ مولانا سے علامہ فراہیؒ کی تفسیر سورۃ الفیل کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ تَرْمِيهِمْ کا مرجع ابابیل کے بجائے اہلِ مکہ کو قرار دیتے ہیں۔ فرمایا:

"اجی' مجھ کو تو مولانا فراہیؒ کی یہ رائے ان کی بالکل اپج معلوم ہوتی ہے۔"

کہنے کی بہت سی باتیں ہیں مگر۔

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار

(ن - ص)

داعی اور دعوت کا کام: از محمد موسیٰ بھٹو۔ ملنے کا پتہ: سندھ نیشنل اکیڈیمی، پوسٹ بکس نمبر 258، حیدر آباد (سندھ۔ پاکستان)۔ کاغذ اور کتابت و طباعت کا عام سا معیار۔ دبیز سادہ رنگین ٹائیٹل۔ قیمت ۳۰ روپے۔

محمد موسیٰ بھٹو قومی اور دینی مسائل کے لیے سوچنے اور لکھنے کا جذبہ خاص رکھتے ہیں۔ بالعموم ان کی کتابوں کی قدر کی جاتی ہے۔ مگر نہ جانے کیا بات ہے کہ ان کی اس کتاب کو میں نے پڑھا اور اس کا جو نصف حصہ بطور اصل "کیس" کے خود پیش کیا ہے، اس میں نہ تو کوئی ترتیب ملی، نہ یہ سمجھا جا سکا کہ کس بات کا رخ کس طرف ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ کچھ خاص جذبات و احساسات ہیں، دعوت حق کا کام کرنے والوں کے متعلق، جنہیں بتکرار پیش کر دیا گیا ہے۔ ان کی نیت اچھی ہو گی مگر بات بنی نہیں۔ ہاں چند اصحاب کو اپنے خیالات اور لٹریچر سے آگاہ کر کے خطوں کے جو جوابات حاصل کیے گئے ہیں وہ کتاب کا دوسرا دلچسپ حصہ ہیں، مگر ان میں طرح طرح کے جواب ہیں، یعنی پھر وہی انتشار!

آپ نے دیکھا ہو گا کہ صحرا میں اگر کہیں ذرا سی نمی پا کر کھجور کا کوئی درخت اگ آئے تو اس کے آس پاس نہ صرف جھاڑیاں، بوٹیاں، سرکنڈے اور گھاس وغیرہ بھی نمودار ہو جاتے ہیں بلکہ بعد میں کھجور کے مزید درخت سربلند کرتے ہیں۔

یہی مثال دعوت اسلامی کی ہے۔ اس کام کی طرف پوری توجہ نہیں تھی تو مولانا مودودیؒ نے اسلامی دعوت برائے تحریک اقامت دین کا آغاز کیا۔ دوسری طرف مولانا محمد الیاس صاحب نے ایک اور طرز سے تبلیغ کا کام کرنا شروع کر رکھا تھا۔ اہل تبلیغ تو بحثوں اور وضاحتوں سے بے نیاز رہ کر کام کرتے رہے کیونکہ اوپر دیو بند کا سایہ تھا۔ مگر مولانا مودودیؒ کی قائم کردہ جماعت اسلامی برائے دعوت الی اللہ وسعی اقامت دین ہر طرف سے نشانہ بن گئی۔ کسی نے کہا دین کو تحریک نہیں کہا جا سکتا۔ کسی نے کہا دین کی اقامت کا مفہوم ہی غلط لیا گیا ہے، کسی نے کہا، آخر نظام کی اصطلاح قرآن و حدیث میں کہاں درج ہے۔ پھر کہا گیا کہ جس تحریک کا سیاسی پہلو بھی ہو وہ دعوت کا کام نہیں کر سکتی، سیاسی کوشش غلط ہے۔ سیاسی اقتدار البتہ خدا تعالیٰ بطور انعام دے سکتا ہے۔ سیاسی رجحان موجود ہو تو روحانیت نہیں رہ سکتی۔ یہ ساری روئیدگی کھجور کے درخت کے گرد ہو رہی تھی جو صحرا میں اگ کر بڑا ہو تا گیا۔ پھر کھجور کے اور پودے بھی آس پاس ابھرنے لگے۔ کسی نے کہا تعبیر کی غلطی ہو گئی تھی، ہم اب نئی تعبیر کرتے ہیں۔ کسی نے کہا کام انقلابی شروع ہوا تھا، اب انتخابی بن گیا ہے، لہٰذا ہم انقلاب اٹھانے کے لیے الگ مورچہ بناتے ہیں۔

ایک زمانے میں اصلاحی محاذ بھی تھا' اس کا شاخسانہ اب بھی ہے' پھر اس کے بالمقابل ایک اور ذیلی سکول اختلاف کرنے والا بھی ہے۔ مولانا ابو الحسن علی (تبلیغی جماعت) اور مولانا عبدالوحید خاں نے اپنا راستہ اس فلسفے کے تحت الگ کیا کہ مسلمان تبلیغ کرنے کے بجائے دوسروں سے ٹکرا جاتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ امام حسینؓ سے لے کر تحریک مجاہدین تک ساری تاریخ دعوت اسلامی پٹڑی سے اتر گئی۔ اب انہوں نے پھر سے اسے پٹڑی پر چڑھانے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ہمارے بھائی محمد موسیٰ بھٹو موخر الذکر دو مدرسہ ہائے فکر سے متاثر ہیں۔ اس لیے دعوت اسلامی کا اصل راستہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔

بھٹو صاحب کہتے ہیں کہ داعی میں کبر نہیں ہونا چاہیے' محبت و انکسار ہونا چاہیے' اسے دوسروں کو غلط کہنے سے بچنا چاہیے' سیاست کو دعوت کے ساتھ جمع نہیں کرنا چاہیے۔ اس کام کو نظام اور تحریک بنا کر کرنے سے تعلق باللہ پوری طرح حاصل نہیں ہوتا' خشیت و تقویٰ کی راہیں نہیں کھلتیں اور تفرقہ کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔

ادھر محمد موسیٰ بھٹو اس بات پر بھی سخت پریشان ہیں کہ "جدید تہذیب کا بڑھتا ہوا سیلاب تو ہماری نئی نسلوں کا سارا دین و ایمان غارت کر رہا ہے ---- ضرورت ہے کہ ہم تہذیب جدید کے چیلنج کے مسئلے کو مسائل کی فہرست میں پہلی ترجیح دیں....."

کاش کہ پیش آمدہ مصیبت کو اس سے زیادہ واضح طور پر سمجھ کر داعیان حق یا انقلابیان اسلام کے فرائض کی صحیح وسعت کا اندازہ کرتے۔ اس طوفان کا مقابلہ عقائد کے میدان میں' علوم کے میدان میں' اور ادب کے میدان میں' صحافت کے میدان میں' سائنس اور اسلحہ کے میدان میں' اور اس طرح جمہوری اقتدار کے میدان میں کرنا ہو گا' ورنہ صرف کلمہ پڑھا کر تو اس طوفان کا رخ نہیں موڑا جا سکتا۔ (ن - ص)

بقیہ: حکمت مودودیؒ

ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اس کام میں شریک ہونے کے بعد بھی کسی حال میں چھوٹا بننے پر راضی نہ ہو' اور اطاعت کو اپنے مرتبے سے گری ہوئی چیز سمجھے یا حکم کی چوٹ اپنے نفس کی گہرائیوں میں محسوس کرے اور تلخی کے ساتھ اس پر تلملائے یا اپنی خواہش اور مفاد کے خلاف احکام کو ماننے میں ہچکچائے' وہ دراصل اس بات کا ثبوت پیش کرتا ہے کہ ابھی اس کے نفس نے اللہ کے آگے پوری طرح سرِ اطاعت خم نہیں کیا ہے اور ابھی اس کی انانیت اپنے دعوؤں سے دست بردار نہیں ہوئی ہے۔

REGD. NO. L 5340 PHONE: 234014 236665

MONTHLY TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE